3

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۳

شمارہ نمبر ۳

مارچ ۲۰۱۹ء

March 2019

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان :	۳۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۴۰/امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۳۰/روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- مالی معاملات میں اختلاف سے بچنے کی تدبیریں... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ..... ..... پروفیسر محسن عثمانی ندوی 12
- جھوٹ معاشرہ کو تباہ کر دیتا ہے ..... خورشید عالم داؤد قاسمی 14
- نماز کی روح: خشوع وخضوع ..... ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی 18
- اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ..... محترم ایوب بیگ مرزا 21
- روح جہاد کی نفی ..... ذکی الرحمٰن غازی مدنی 23
- فلسطین کی بابت چالیس اہم تاریخی حقائق ..... اردو استفادہ: محمد زکریا خان 26
- اُسوۂ حسنہ کی جامعیت ..... حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ 31
- گفتگو دنیا سے ..... ڈاکٹر جاسم محمد مطوع 35
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی 37
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ 38
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 41-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

عم محترم ومکرم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال پوری ملت اسلامیہ خصوصاً ندوۃ العلماء کے لئے عظیم خسارہ ہے، مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن اور علم وحکمت اور دانش وآگہی کا ایک سمندر تھے، ادب وصحافت، اسلامی فکر وثقافت اور مغربی فکر وثقافت کے جائزہ کے میدان میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ عربی زبان وادب کے پہلو بہ پہلو اسلامی فکر اور مغربی فکر مولانا کا خاص موضوع تھا، آپ کا علم وفضل بہت گہرائی لئے ہوئے تھا اور ادب مولانا کی زندگی کا کوئی تفریحی مشغلہ نہیں تھا۔ بلکہ دین کی خدمت کا ذریعہ تھا۔

عم محترم کی ایک اہم خصوصیت علم میں وسعت وگہرائی ہے، آپ نے اپنا مطالعہ کبھی کسی ایک فکر وخیال یا ایک تہذیب و تمدن تک محدود نہیں رکھا، بلکہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مختلف جہتوں سے فائدہ اٹھایا، عم محترم کے یہاں تعصب وگروہ بندی یا تنگ نظری کا گزر نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کی خدمت جہاں بھی ہورہی تھی اس کی قدر کرتے اور ہمت افزائی کرتے تھے حضرت مولانا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، آپ فضول گوئی، مجلس آرائی سے دور تھے، پڑھنے پڑھانے اور استفادہ وافادہ کی مشغولیت یا پھر تحریر ومقالہ نویسی اور طلبہ کی تعلیم وتربیت سے ہمیشہ مطلب رکھا، دوسروں کی عیب جوئی تو بہت دور کی بات ہے، آپ کے یہاں تو ان مباح امور کی بھی گنجائش نہیں تھی جو نہ دنیا میں سودمند اور نہ ہی آخرت میں کارآمد ہوتے ہیں، علم کی خدمت عبادت اور حسن سلوک آپ کی خاص صفت تھی۔

تعلیم وتربیت کے باب میں سب سے مؤثر چیز اسوۂ حسنہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس کی سب سے جامع اور مکمل مثال ہے، قرآن کریم نے ایک طرف آپ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے۔ "**انك لعلى خلق عظيم**" اور دوسری طرف آپؐ کے اسوہ کی اتباع کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے۔ "**لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة**" مولانا اسی اسوۂ نبوی کا بہترین نمونہ تھے، آپ کی زندگی مثالی تھی، زہد وتقویٰ مولانا کا شعار تھا، تواضع وانکساری آپ کی خاص صفت تھی، کم آمیزی وکم گوئی طبیعت ثانیہ تھی، عیب جوئی سے پاک، ریاکاری اور نام ونمود سے کوسوں دور رہے، اخلاص حسنہ کا پیکر تھے، حلم ومروت کا نمونہ تھے۔

حضرت مولانا اسی کے ساتھ خاندانی تعلقات کو نبھانے والے تھے، خاندان کے بچوں کے لیے انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ خاندان تھے، اسی طرح اپنے طلبہ کے لئے شفیق استاد اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

آپ کی وفات نہ صرف خاندان بلکہ ندوۃ العلماء اور پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایسا حادثہ ہے جس کا اثر برسوں رہے گا جس کو بھلانا آسان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین رضوان سے دعاء مغفرت اور ترقی درجات کی درخواست ہے۔

حدیث کی روشنی میں

علم کی فضیلت

امۃ اللہ تسنیم

دین کی سمجھ فضل خداوندی کی علامت ہے

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو آدمیوں کے حال پر رشک کرنا ٹھیک ہے۔ ایک اس شخص پر جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور حق کے ساتھ خرچ کرنے کی توفیق اور سلیقہ بھی دیا اور دوسرا وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے وہ اس علم کے مطابق لوگوں پر فیصلہ کرتا ہے اور سکھاتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

دین میں سمجھ حاصل کرنے والوں کی مثال

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس علم و ہدایت کے ساتھ میں آیا ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش، کہ زمین کے ایک حصہ پر بارش ہوئی، وہ حصہ اچھا ہے جس نے پانی کو جذب کرلیا، وہ سرسبز ہوگئی۔ خوب کلے پھوٹے، گھاس اُگی، اور اس میں دوسرا ٹکڑا تھا جو سخت تھا، اس نے پانی کو روک لیا جس سے تالاب اور جھیل بنے تو اس پانی سے اللہ تعالیٰ نے خوب فائدہ پہنچایا، لوگوں نے اس سے پانی پیا، جانوروں کو پلایا، کھیتی سیراب کی اور ایک ٹکڑا جو چٹیل میدان ہے کہ پانی جذب کرنے اور روکنے کی اس میں صلاحیت نہیں، نہ اس نے پانی کو روکا نہ چارہ جما تو پہلے حصہ کی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اس علم و ہدایت سے جو میں لایا ہوں خوب نفع اٹھایا، سیکھا اور سکھایا اور آخر الذکر حصہ کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنہوں نے میری لائی ہوئی ہدایت کو سن کر نہ قبول کیا اور نہ سر اٹھایا۔ (بخاری، مسلم)

ایک آدمی کی ہدایت بھی دولت بے بہا ہے

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں (سرخ اونٹ کمیاب تھے اور عرب میں ان کی بڑی قیمت لگتی تھی) سے بہتر ہے۔ (بخاری، مسلم)

تبلیغ کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا قول لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل سے سنی ہوئی روایت بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیا۔ (بخاری، مسلم)

علم کے لئے قدم اٹھانے کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردے گا۔ (مسلم)

معلم و مبلغ کا ثواب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو ہدایت کرنے والے کو ہدایت پانے والے کے برابر ثواب ملے گا اور ہدایت یافتہ کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (مسلم)

صدقۂ جاریہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

انسان کے مرتے ہی اس کے عمل ختم ہوجاتے ہیں لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں ایک تو وہ خیرات اور صدقہ جس کا فائدہ جاری رہے، دوسرے وہ علم جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے، تیسرے اولاد صالح جو والدین کیلئے دعائے خیر کرے۔(مسلم)

عالم و طالب علم کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ سوائے اللہ کے ذکر اور اس کے متعلقات (جو کام خدا کی خوشی اور ثواب کی نیت سے کیا جائے وہ بھی ذکر میں شامل ہے) کے اور عالم اور طلب علم میں مشغول شخص کے دنیا اور دنیا کی ہر چیز خدا کی رحمت سے دور ہے۔(ترمذی)

علم کی طلب میں نکلنا راہ خدا میں نکلنے کے برابر ہے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم دین حاصل کرنے کی غرض سے گھر سے نکلے تو جب تک وہ گھر واپس نہ ہوگا اس کا یہ زمانہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شمار ہوگا۔(ترمذی)

علم سے سیری نہیں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بھلائی سے (یعنی علم سے) کبھی سیر نہیں ہوتا حتی کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔(ترمذی)

معلم کے لئے دُعائیں

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اور آسمان وزمین والے، حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں، مچھلیاں پانی میں، بھلائی کی تعلیم دینے والوں (یعنی علم دین سکھانے والوں) کے لئے دعائیں کرتی ہیں۔(ترمذی)

طالب علم کا اعزاز

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم کی تلاش میں سفر کیا اس پر اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان فرمائے گا اور فرشتے علم دین کے طالب پر خوش ہوکر بازو بچھا دیتے ہیں اور جو آسمان وزمین میں ہے حتی کہ مچھلیاں پانی میں عالم کے لئے دعائیں کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر اور علماء، انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، پس جس نے علم حاصل کیا تو اس نے اپنی خوش قسمتی سے پورا حصہ حاصل کرلیا۔(ابوداؤد، ترمذی)

مبلغ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جو میری بات من وعن پہنچادے، شاید سننے والا، زیادہ رکھنے والا ہو۔(ترمذی)

دین کی بات نہ بتانے والے کی سزا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے دین کی کسی بات کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے نہیں بتایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام دی جائے گی۔(ابوداؤد، ترمذی)

دُنیا کے لئے علم دین حاصل کرنے کی سزا

حضرت ابوہریرہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وہ علم جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اُس کو دنیا کے کسی فائدہ کے لئے سیکھا تو قیامت کے دن وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔(ابوداؤد)

علم کس طرح اُٹھے گا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو اس طور سے نہیں اٹھاتا کہ لوگوں کے دلوں سے دور کردے بلکہ علماء کو اٹھالیتا ہے، اور علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جاتا ہے۔ حتی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی عالم نہ رہ جائے گا کہ کوئی عالم نہ رہ جائے گا۔ لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے ان سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔(بخاری، مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مالی معاملات میں اختلاف سے بچنے کی تدبیریں

دنیا میں بہت سی مخلوقات ایسی ہیں کہ وہ اپنے باقی رہنے میں اپنی ہم جنس کی محتاج نہیں ہیں، جیسے درخت ہے، درخت کو اپنے ہی جیسے درخت کی ضرورت پیش نہیں آتی، بلند و بالا پہاڑ اپنے باقی رہنے میں دوسرے پہاڑ کے محتاج نہیں ہیں، لیکن جاندار اور خاص کر انسان اپنی زندگی میں اپنی ہم جنس مخلوق اور انسان کے محتاج ہیں، ماں باپ کا ''بوڑھاپا'' بال بچوں کے بغیر گذارے نہیں گذرتا، بچے باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا کے بغیر بچپن سے جوانی تک کا سفر طے نہیں کر سکتے، ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد ہر شخص کو ایک رفیق کی ضرورت پیش آتی ہے، جو شوہر و بیوی کی شکل میں مہیا ہوتا ہے، یہ ضرورتیں تو چھوٹے سے خاندان سے متعلق ہیں، اس سے باہر نکلئے تو ضرورتوں کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے، تاجر و گاہک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور آجر و مزدور کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔

سماج کے دو یا اس سے زیادہ افراد کے درمیان باہمی احتیاج و ضرورت کی بناء پر جو مالی تعلق قائم ہوتا ہے، اسی کو فقہ و قانون کی زبان میں ''معاملہ'' کہتے ہیں، معاملات میں بعض دفعہ ''ادھار'' کی بھی نوبت آتی ہے اور مہلت کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں، ایسے وقت میں خاص کر باہمی نزاع کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، عام طور پر معاملات میں جو اختلافات پیدا ہوتے ہیں، وہ بڑی شدت اختیار کر جاتے ہیں، اس لئے کہ مال کی حرص اور مال کے سلسلہ میں بخل انسانی فطرت میں داخل ہے، ایسے اختلافات محبت کے رشتوں کو کڑواہٹوں میں تبدیل کر دیتے ہیں، کینہ و کدورت کی آگ سینوں میں سلگا کر رکھ دیتی ہے، یہاں تک کہ لوگ مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں، اور قتل و قتال تک نوبت آجاتی ہے۔ یہ اختلاف عام طور پر دو اسباب کی وجہ سے رونما ہوتا ہے: ایک: بددیانتی، دوسرے: معاملات میں ابہام۔

بددیانتی اور خیانت کے واقعات تو دن رات پیش آتے رہتے ہیں: اس لئے کہ بددیانتی آج کی دنیا میں جرم کے بجائے آرٹ بن چکا ہے اور بعض لوگ ایسی حرکتوں کو ہوشمندی اور عقل مندی باور کرتے ہیں: لیکن بہرحال جو لوگ دین و شریعت سے جڑے ہوئے ہیں، نماز روزے کے پابند ہیں اور اسلامی وضع قطع رکھتے ہیں، وہ بڑی حد تک اس سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن معاملات میں ابہام اور صفائی و وضاحت کا نہ ہونا ایسی بیماری ہے، جس میں یہ طبقہ بھی گرفتار رہتا ہے، قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر: 282 ہے، جو آیت ''مداینت'' کہلاتی ہے، اس میں قرض کا ایک اہم حکم بتایا گیا ہے اور خاص طور پر ایسے معاملہ کو لکھ لینے کا حکم دیا گیا ہے، عداء بن خالد بن ہوذہؓ کے پاس خرید و فروخت کی ایک دستاویز تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرائی تھی، اس میں خریدار کی حیثیت سے عداءؓ کا نام تھا اور فروخت کنندہ کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کتابۃ الشروط، حدیث نمبر 1260)، اس سے معلوم ہوا کہ خرید و فروخت نقد ہو تب بھی لکھ لینا بہتر ہے۔

خرید و فروخت کی ایک صورت یہ ہے

کہ قیمت نقد ادا کردی جائے اور خریدی جانے والی شئی ادھار رکھی جائے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں "سَلَم" کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں ایسی خرید وفروخت کا عام رواج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی، لیکن فرمایا کہ پیمانہ متعین ہونا چاہئے، وزن متعین ہونا چاہئے اور مدت متعین ہونی چاہئے: **من اسلف فی شیء ففی کیل معلوم، ووزن معلوم، الی اجل معلوم۔** (صحیح البخاری، کتاب السلم، باب السلم فی وزن معلوم، حدیث نمبر: 2250)۔

فقہاء نے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ہے کہ چونکہ شریعت کا منشاء نزاع کو روکنا اور جھگڑے کا سدباب کرنا ہے، اس لئے ان تمام چیزوں کا متعین اور واضح ہونا ضروری ہے، جن کے بارے میں آئندہ اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، جو شئی ادھار ہے، وہ بھی متعین ہو، جیسے چاول، گیہوں، پھر اس کی قسم بھی متعین ہو، جیسے باسمتی چاول، کوالیٹی اور کیفیت میں بھی ابہام نہ ہو، جیسے اعلیٰ درجہ، درمیانی درجہ وغیرہ، سامان کی ڈیلیوری کی جگہ بھی مقرر ہو، مثلاً یہ چیز فلاں شہر میں مہیا کی جائے گی، وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرض وادھار کی تمام صورتوں کے بارے میں اصولی بات فرمائی ہے کہ ادائیگی کی مدت واضح اور متعین ہونی چاہئے، کوئی شخص کہے کہ کھیت کی کٹائی یا فلاں شخص کے دینے تک کے لئے ادھار ہے، تو اس کا اعتبار نہیں، بلکہ مدت یا ادائیگی کا وقت کسی ابہام کے بغیر مقرر ہونا چاہئے: **لا تسلف الی العطاء ولا الی الحصاد، و أضرب أجلا** (اعلاء السنن: 14/ 381، بہ حوالہ: مصنف ابن ابی شیبہ)

آج کل دارالافتاء، دارالقضاء اور محکمۂ شرعیہ وغیرہ میں متعدد ایسے معاملات آتے رہتے ہیں، جن میں آپسی جھگڑے کی بنیاد معاملات کا واضح نہ ہونا ہے، اس وقت اس کی چند صورتوں کا ذکر مناسب محسوس ہوتا ہے۔

بعض اوقات والد ایک کاروبار شروع کرتے ہیں، اس وقت بچے چھوٹے ہوتے ہیں، بچے جیسے جیسے بڑے ہوئے ان میں سے بعض والد کے ساتھ کاروبار میں لگ جاتے ہیں، بعض ملک یا بیرون ملک میں اچھی ملازمتیں حاصل کرلیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بڑے لڑکے تو کاروبار میں شامل ہوگئے، تاکہ تجارت کو فروغ دیں اور اس کی وجہ سے وہ آگے تعلیم حاصل نہیں کرسکے، چھوٹے بھائیوں نے تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہوگئے، اب والد کے انتقال کے بعد جب ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ آیا تو جس بھائی نے کاروبار میں تعاون کیا تھا، وہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کا معاوضہ ملے، اور چھوٹے بھائیوں کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ترکہ برابر تقسیم کیا جائے، بعض دفعہ اس میں اُن بھائیوں کے ساتھ بظاہر ناانصافی ہوتی ہے، جنہوں نے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے خود الگ سے کوئی ملازمت نہیں کی یا اپنی تعلیم کو قربان کیا، بعض دفعہ اس کے برعکس صورت حال بھی پیش آتی ہے جو بھائی کاروبار میں شریک تھا، وہ پورے کاروبار پر قابض ہوجاتا ہے، اور دوسرے بھائی بہنوں کو بے دخل کردیتا ہے۔ اگر والدین بچوں کو کاروبار میں شریک کرتے ہوئے وضاحت کردیں کہ تمہاری حیثیت پارٹنر کی ہوگی اور تم اس میں اتنے فیصد کے مالک ہوگے، یا تمہاری حیثیت ملازم کی ہوگی اور تم ماہانہ اتنی تنخواہ کے مستحق ہوگے، یا تم میرے معاون و مددگار ہو، الگ سے تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا تو بعد کو چل کر اس طرح کا اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔

عملی تعاون ہی کی طرح بعض دفعہ مالی تعاون میں بھی یہ صورت پیش آتی ہے، جیسے والدین کی تجارت میں ان کے مطالبہ پر یا بلا مطالبہ بعض بچوں نے مختلف موقعوں پر پیسے دیئے، یہ سرمایہ کاروبار کا حصہ بن گیا، لیکن یہ بات متعین نہیں ہوئی کہ سرمایہ لگانے والوں کا کاروبار میں خصوصی شیئر ہوگا، یا ان کی یہ رقم قرض ہے جو بعد میں ادا کی جائے گی۔ یا اپنے والد کا تعاون ہے؟ یہ عدم وضاحت پھر بعد میں بڑے جھگڑے

کا سبب بنتی ہے، جن لڑکوں نے رقم دی تھی، وہ زائد حصہ چاہتے ہیں، اور دوسرے بھائی پورے کاروبار کا ترکہ قرار دیتے ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بھائی نے کاروبار شروع کیا، سب لوگ مل کر رہ رہے تھے، مختلف بھائیوں نے حسب گنجائش موقعہ بہ موقعہ کاروبار میں رقم لگائی، بعض نے نہیں لگائی، بعض محنت میں شامل ہوئے، بعض نہیں ہوئے، اب ہوتا یہ ہے کہ جس بھائی نے کاروبار شروع کیا تھا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ پورا کاروبار تنہا اسی کی ملکیت ہے، اور دوسرے بھائی اپنے حصہ کے دعویدار ہوتے ہیں، یہ بات اس وقت زیادہ پیش آتی ہے، جب والد کی زندگی میں اس نوعیت کا کاروبار شروع ہوا ہو، کبھی کبھار وہ بھی دوکان پر بیٹھ جاتے ہیں، یا تجارت شروع کرنے والے بچے نے اپنے والد کے نام سے تجارت شروع کی، اگر شروع ہی میں یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ کاروبار مشترک ہے، یا جس بھائی نے شروع کیا ہے، اس کا ہے اور جن دوسرے بھائیوں نے کچھ پیسے لگائے ہیں یا محنت کی ہے، وہ تعاون ہے یا قرض ہے یا شرکت ہے؟ اور اگر اسی کاروبار سے گھر کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں تو یہ بہ طور شرکت کے ہے، یا جس کا کاروبار ہے، اس کی طرف سے تبرع واحسان ہے؟ تو بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

اسی طرح کی صورتحال بعض دفعہ اراضی کی خریداری میں پیش آتی ہے، ایسا ہوتا ہے کہ بعض لڑکے بیرون ملک ملازمت کر رہے ہوتے ہیں، وہ زمین یا مکان کی خریداری کے لئے رقم بھیجتا ہے، اب والد نے اس رقم سے اپنے نام مکان یا زمین خرید کر لی، یا اپنے کسی ایسے لڑکے کے نام خرید کر دی جو ہندوستان میں ہے، حالانکہ پیسے بھیجنے والے کا مقصد اس کے لئے جائداد خریدنا ہے اور والد کی بھی یہی نیت ہے، بھائیوں کو معلوم ہے، لیکن جب والد کا انتقال ہوا تو نیت بدل گئی اور اصل صاحب حق کا نقصان ہو گیا، اس لئے اولاً تو خود رقم بھیجنے والے لڑکے کو چاہئے کہ اپنے والد پر اس بات کو واضح کر دے کہ اس کی نیت خود اپنے لئے زمین خریدنے کی ہے اور والد کو بھی چاہئے کہ اس کی نیت دریافت کر کے اس کے نام سے زمین خریدے، اور اگر اس میں کوئی قانونی دقت ہو تو اپنے نام سے خرید کر اس لڑکے کے نام ہبہ نامہ بنا دے، یا اس کو پاور آف اٹارنی دے دے، یا کم سے کم اپنا یہ اقرار نامہ رجسٹرڈ کرا دے کہ یہ زمین حقیقت میں میرے فلاں لڑکے کی ملکیت ہے، میں اس کا مالک نہیں ہوں اور میرے دوسرے ورثہ کا بھی اس سے حق متعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کا اختلاف بعض اوقات مکان کی تعمیر میں بھی پیدا ہوتا ہے، جیسے والد نے مکان کی تعمیر شروع کی اور بعض لڑکوں نے اس میں پیسے دیئے، لیکن ان کا پیسہ دینا کس حیثیت سے ہے؟ یہ واضح نہیں ہوتا، بعد میں پیسہ دینے والے لڑکے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس مکان میں اس کا خصوصی شیئر ہو اور دوسرے لڑکے پورے مکان کو والد کا ترکہ قرار دیتے ہیں، یہی صورت حال اس وقت بھی پیش آتی ہے، جب اتفاق و اتحاد کے ماحول میں کوئی بھائی مکان کی تعمیر شروع کرتا ہے، اب کئی بھائیوں میں سے ایک دو کچھ پیسے لگا دیتے ہیں، کوئی اپنا وقت دے دیتا ہے، اور یہ بات طئے نہیں ہوتی کہ اس مالی اور عملی تعاون کی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر یہ شروع میں طے پا جائے تو نہ دل کے آبگینے ٹوٹیں گے نہ کینہ و کدورت کی آگ سلگے گی۔

ایک قابل توجہ بات تقسیم میراث کی ہے، جیسے ہی مورث کا انتقال ہوا، اس کے ترکہ سے تمام ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور ترکہ میں مرنے والے کی تمام چیزیں شامل ہیں، مثلاً اگر ایک لڑکا مرنے والے کے ساتھ اس مکان میں مقیم تھا، اب والد کی وفات کے بعد تنہا اس مکان کو یا والد کی دوسری اشیاء کو استعمال کر رہا ہے تو اپنے شیئر سے زیادہ حصہ جو اس کے استعمال میں ہے، وہ اس کے حق میں گناہ اور حرام ہے، پھر تقسیم میں جتنی تاخیر ہوتی جاتی ہے، الجھنیں بڑھتی جاتی ہیں اور اختلاف کے مواقع بھی

پیدا ہوتے رہتے ہیں، اس لئے شریعت کا مقرر کیا ہوا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے گذرنے کے بعد جلد سے جلد ایک دو دنوں کے اندر تمام ورثہ بیٹھ کر شریعت کے حکم کے مطابق اپنے حصے تقسیم کرلیں اور اس قسم میں ہر چیز کو شامل کریں، کیونکہ قرآن میں ترکہ کے لئے ''ما ترک'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی مرنے والا جو بھی چھوڑ جائے، اس لئے گلاس اور پلیٹیں بھی ترکہ میں شامل ہیں، ہاں، اگر مرحوم کی بعض اشیاء کے استعمال کے بارے میں ورثہ کا اتفاق ہوجائے کہ یہ چیز فلاں کے استعمال میں رہے گی تو حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ دوسرے حقداروں کی طرف سے اس کے حق میں ہبہ ہے۔

یہ اور اس طرح کے معاملات میں جہاں وضاحت ضروری ہے، وہیں یہ بھی مناسب ہے کہ ان معاملات کو تحریر میں لے آیا جائے اور اس تحریر پر تمام متعلقہ لوگوں اور کچھ گواہوں کے دستخط ہوجائیں، تاکہ آئندہ طے پانے والے امور کے سلسلہ میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ اگر معاملات کی اچھی طرح وضاحت ہوجائے اور اسے تحریر میں لایا جائے تو زمین و جائداد کے پچاس فیصد جھگڑے ختم ہوجائیں اور اختلاف کی نوبت ہی نہیں آئے۔

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا محمد واضح حسنی ندوی کا 16 جنوری کو انتقال ہوگیا۔ یہ بہت بڑا حادثہ ہے۔ یہ حادثہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا ذاتی حادثہ ہے کہ یہ ان کے لئے ویسے ہی تھے جیسے حضرت موسیٰ کے لئے حضرت ہارون۔ حضرت مولانا رابع حسنی کا کوئی سفر شہر میں ملک میں اور ملک سے باہر مولانا محمد واضح حسنی کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ یہ حادثہ ندوۃ العلماء کے لئے بھی دل فگار ہے کہ وہ معتمد تعلیم اور ندوۃ کے روح رواں تھے۔ یہ حادثہ علمی اور ادبی دنیا کا بھی حادثہ ہے کہ وہ عربی زبان کے بے مثل ادیب اور نقاد تھے اور عربی ادب پر کئی اہم کتابوں کے مصنف تھے اور رابطہ ادب اسلامی کے صدر نشین تھے۔ ذاتی طور پر وہ ان اوصاف کے مالک تھے جو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے ہیں۔ ان اوصاف کی تلاش اس زمانہ میں عنقا کی تلاش یا بال ہما کی جستجو ہے۔ بہترین علمی اور فکری اور ادبی صلاحیتوں کے باوصف ہمیشہ خود کو سب کے پس پش رکھنا اور خودنمائی اور خودستائی سے مکمل گریز و خود افروزی اور دوسروں کی خوردہ گیری سے مکمل اجتناب، کبھی سبقت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا، ہمیشہ خود کو پیچھے رکھنا مستقل عادت اور وظیفہ حیات۔ شاد عظیم آبادی کا ایک شعر ہے:

یہ بزم مئے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اس شعر میں جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے مولانا واضح حسنی کی طبیعت میں اس کا بالکل انکار تھا، ہمیشہ کوتاہ دست رہنا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا اور فائدہ پہنچا کر خوش ہونا ان کی زندگی کا معمول تھا، نرم خو، نرم گفتگو، گرم دم جستجو ان کی شخصیت کی پہچان تھی۔ ان کی ہر تحریر ان کی جودت فکر کی آئینہ دار ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، وہ انگریزی اردو اور عربی کی علمی اور فکری کتابوں کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتے تھے، عالم اسلام کے حالات پر اور تاریخ پر ان کی نظر تھی۔ صلیبی اور استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ واقف تھے، اسی لئے ان کی تحریروں میں علمی اور فکری وزن ہوتا تھا اور اس کا نمونہ ان کی اردو کتاب ''عالم اسلام پر فکری یلغار'' ہے جو ان کی عربی کتاب ''الغزو الفکری'' کا سلیس ترجمہ ہے۔

مولانا محمد واضح حسنی ندوی قلم کے شہسوار تھے لیکن ان کا اسپ قلم ''تازی'' تھا، رہوار قلم عربی تھا، انداز بیان ہوشمندانہ اور سنجیدہ تھا۔ ان کی ایک اور فکر انگیز کتاب ''موجودہ تہذیب وتمدن اور عالم اسلام'' کے نام سے شائع ہوچکی ہے، وہ بھی ان کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے، مسلمانوں میں اچھے مفکرین کی شدید ضرورت ہے جو مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرسکیں کیونکہ مسلمانوں کا عمومی رویہ اکثر مسائل میں جذباتی، غیر منطقی اور کبھی جارحانہ بن جاتا ہے اور مولانا واضح حسنی کا اسلوب بیان منطقی اور تجزیہ دانشورانہ ہوتا تھا۔ مولانا کی تحریری عالمی حالات کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی تھی، ان میں جوش کا عنصر بہت کم اور ہوش کا عنصر بہت غالب ہوتا تھا۔ یہ تحریریں، یہ کتابیں مفکرانہ انداز میں بتاتی ہیں کہ ''قافلہ کیوں لٹا'' اور ''رہزن'' کون تھا اور اس نے رہزنی کیسے کی اور مسلمانوں

کواب کیا کرنا چاہیے، اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں کیا فرق ہے؟ مولانا کی عربی کتاب ''الغزو الفکری'' اور ''الی نظام عالمی جدید'' بلاشبہ قلب سلیم اور فکر مستقیم کا نمونہ ہے۔ مولانا محمد واضح حسنی ندوی کی زیادہ تر تحریروں کا موضوع یہی ہے کہ مسلمانوں کی عزت وعظمت کا روشن چاند شکست و زوال کے بادلوں میں کیسے روپوش ہوگیا، اسلامی تہذیب وتمدن کا بیڑا کیوں غرق ہوا، اب عظمت رفتہ کی باز آفرینی کیسے ممکن ہے اور اس پر آشوب زمانہ میں ہمیں کیا کرنا ہے۔ اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی لیکن اس موضوع پر چند کتابوں کا انتخاب کیا جائے گا تو مولانا واضح رشید حسنی ندوی کی کتابوں کا نام ضرور لیا جائے گا۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہوجائے کہ یورپ نے غلبہ کیسے حاصل کیا اور اس کی برتری کا راز کیا ہے، اس وقت تک ہم اپنی صحیح منصوبہ بندی نہیں کرسکتے ہیں۔ یہ موضوع اتنا اہم ہے کہ کوئی دل دردمند اور فکر ارجمند رکھنے والا شخص اس سے صرف نظر نہیں کرسکتا ہے۔ مولانا واضح حسنی مفکر اسلام تھے، مفکر اسلام کا کردار اور مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے، اس کی ثقافت اور آگہی کا سرچشمہ قرآن اور سنت نبوی ہوتا ہے، وہ عصر حاضر سے بھی واقف ہوتا ہے۔ وہ عصر حاضر کے مسائل کا حل دریافت کرنے کے لیے قرآن وسنت کے سرچشموں سے اکتساب کرتا ہے، اس کی فکر میں وسعت ہوتی ہے، وہ مثل خورشید سحر اپنی روشنی دنیا میں پھیلاتا ہے، اپنی تحریر کے جام جمشید میں ماضی اور حال کی تاریخ کی تصویر پیش کرتا ہے، وہ صفحہ قرطاس کے آئینہ میں قوموں کے عروج و زوال کا منظر دکھاتا ہے اور عبرت کا درس بھی سناتا ہے، وہ مصنف اوصاف قلم ہوتا ہے، وہ مضامین نو کے انبار لگاتا ہے اور ہزاروں انسان اس کے خرمن فکر کے خوشہ چیں ہوتے ہیں۔ عربی زبان کے ادیب اور انشاء پرداز، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مولانا محمد واضح حسنی ندوی کی کئی کتابیں عربی ادب اور تنقید کے موضوع پر ہیں۔ مصادر الادب العربی اور اعلام الادب العربی اور تاریخ الادب العربی یہ وہ کتابیں ہیں جو ان کو اعلیٰ ادبی منصب پر فائز کرتی ہیں۔

ان کی دوسری کتابیں ''الغزو الفکری'' اور الی نظام عالمی جدید'' میں ایک اچھے مفکر کی شان نظر آئے گی اور ایک عظیم مفکر یا مفکر اسلام یا مفکر ملت کا لقب ان کے شایان شان نظر آئے گا۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں مفکر اسلام کی قبا ان کی شخصیت پر راست آتی ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی کے نام کے ساتھ مفکر اسلام لکھا جاتا رہا ہے، وہ بجا طور پر مفکر اسلام تھے۔ مولانا واضح حسنی ندوی نے ان سے پورا اکتساب کیا تھا اور وہ ان کے سچے جانشین تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کی اور اپنے لئے کسی لقب کو پسند نہیں کیا، جب کہ آج القاب پر بھی قبضہ غاصبانہ ہونے لگا ہے اور "یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا" کی قرآنی تہدید ان کے پیش نظر نہیں ہوتی ہے۔ سادگی، گوشہ نشینی، گمنامی تواضع علم اور نرمی ہی سے مولانا واضح حسنی کی شناخت تھی۔ ان کے مزاج میں ندویانہ رواداری اور توسع کی صفت تھی۔ ایک بار ہندوستان، حالات حاضرہ اور ملت کی اجتماعی کوششوں پر گفتگو ہورہی تھی، میں نے کہا کہ اس دور کی اصلاحی اور اسلامی تحریکات اور قدیم مکتب فکر کے علماء میں اتنی دوری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی خدمات سے واقف نہیں ہیں۔ یہ سن کر افسوس کے ساتھ کہنے لگے نہ صرف یہ کہ واقف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر عداوت ہیں، جیسے سامنے کوئی غنیم کی فوج ہو۔ وہ اس پر افسوس ظاہر کررہے تھے۔ مولانا واضح حسنی کے یہاں غیر معمولی طور پر توسع اور رواداری کا جذبہ تھا۔ اقبال کا یہ شعر ان پر صادق آتا تھا:

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

ooo

جھوٹ معاشرہ کو تباہ کردیتا ہے

خورشید عالم داؤد قاسمی

سب جانتے ہیں کہ بے بنیاد باتوں کو پھیلانے میں جھوٹ بولنے اور افواہ کا بازار گرم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں، اتنی بات تو ضرور ہے کہ یہی جھوٹ، چاہے جان کر ہو، یا انجانے میں ہو، کتنے لوگوں کو ایک آدمی سے بدظن کردیتا ہے، لڑائی، جھگڑا اور خون خرابہ کا ذریعہ ہوتا ہے، کبھی تو معاشرے کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیتا ہے۔ جب جھوٹ بولنے والے کی حقیقت لوگوں کے سامنے آتی ہے: تو وہ بھی لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے، اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے، اور پھر لوگوں کے درمیان، اس کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

جھوٹ کیا ہے؟

لفظ جھوٹ کو عربی زبان میں ''کذب'' کہتے ہیں۔ خلاف واقعہ کسی بات کی خبر دینا، چاہے وہ خبر کرنا جان کر ہو، یا غلطی سے ہو، جھوٹ کہلاتا ہے۔ (المصباح المنیر) اگر خبر دینے والے کو اس بات کا علم ہو کہ یہ جھوٹ ہے، تو وہ گنہگار ہوگا۔ پھر وہ جھوٹ اگر کسی کے لیے ضرر کا سبب بنے، تو یہ گناہ کبیرہ میں شمار کیا جائے، ورنہ تو گناہ صغیرہ ہوگا۔

قرآن کریم میں جھوٹوں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کوئی بات بلا تحقیق کے اپنی زبان سے نہ نکالے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو پھر اس کی جواب دہی کیلئے تیار رہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔** (سورہ اسراء:۳۶)

ترجمہ: ''اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر، کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے اس سب کی پوچھ ہوگی۔''

آیت مذکورہ کی تفسیر کی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کرکے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی انکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کردے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا، یا بغض و عداوت قائم کرلینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، اَن دیکھی، یا اَن سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں، یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قوی کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

انسان جب بھی کچھ بولتا ہے، تو اللہ کے فرشتے اسے نوٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اسے اس ریکارڈ کے مطابق، اللہ کے سامنے قیامت کے دن، جزاء و سزا دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ (سورہ ق:۱۸) ترجمہ: ''وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا، مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔''

یعنی انسان کوئی کلمہ جسے اپنی زبان سے نکالتا ہے، اسے یہ نگراں فرشتے محفوظ کرلیتے ہیں۔ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ

لکھتے ہیں، خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب اور خیر یا شر ہو یا نہ ہو۔

امام احمدؒ نے بلال بن حارث مزنی سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان بعض اوقات کوئی کلمہ خیر بولتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی رضا دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے، اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ و وبال کہاں تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لیے لکھ دیتے ہیں۔ (ابن کثیر) (تلخیص: از: معارف القرآن: ۸/۱۴۳)

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں، جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ (آل عمران: ۶۱)

ترجمہ: ''لعنت کریں اللہ کی ان پر جو کہ جھوٹے ہیں۔''

حدیث شریف میں جھوٹ کی مذمت:

جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیات میں جھوٹ اور بلا تحقیق کسی بات کے پھیلانے کی قباحت و شناعت بیان کی گئی ہے، اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس بدترین گناہ کی قباحت و شناعت کھلے عام بیان کی گئی ہے۔ ہم ذیل میں چند احادیث، مختصر وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جھوٹ اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے، لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو ایمان کا منافی عمل قرار دیا ہے۔ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن صفوان ابن سليم رضی الله عنه انه قيل لرسول الله صلى الله عليه سولم: ايكون المومن جبانا، فقال: نعم۔ فقيل له: ايكون المومن بخيلاً۔ فقال: نعم۔ فقيل له: ايكون المومن كذاباً، فقال: لا۔ (مؤطا امام مالک، حدیث: ۳۶۳۰/۸۲۴) ترجمہ: حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ہاں۔ پھر سوال کیا گیا: کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: ہاں۔ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: نہیں (اہل ایمان جھوٹ نہیں بول سکتا)

ایک حدیث شریف میں جن چار خصلتوں کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے، ان میں ایک جھوٹ بولنا بھی ہے: لہٰذا جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ خصلت نفاق سے متصف ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

ارفع من كن فيه كان منافقا خالصا، و من كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها: اذا ؤتمن خان، و اذا حدث كذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۴) ترجمہ: ''جس میں چار خصلتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں کوئی ایک خصلت پائی جائے، تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، تا آنکہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے: جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑا لڑائی کرے تو گالم گلوچ کرے۔''

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے، تو رحمت کے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں۔

اذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلا من نتن ما جاء به۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۱۹۷۲) ترجمہ: ''جب آدمی جھوٹ بولتا ہے، تو اس سے جو بدبو آتی ہے اس کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے۔''

ایک حدیث میں پیارے نبیؐ نے جھوٹ کو فسق و فجور اور گناہ کی طرف لے جانے والی بات شمار کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

..... ان الکذب یھدی الی الفجور، و ان الفجور یھدی الی النار، و ان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذاباً۔ (صحیح بخاری، حدیث:۶۰۹۴) ترجمہ: یقیناً جھوٹ برائی کی رہنمائی کرتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، تا آنکہ اللہ کے یہاں ''کذاب'' (بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا) لکھا جاتا ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جھوٹ بولنے کو، بڑی خیانت قرار دیا ہے۔ خیانت تو خود ہی ایک مبغوض عمل ہے، پھر اس کا بڑا ہونا، یہ کتنی بڑی بات ہے! حدیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

کبرت خیانۃ ان تحدث اخاک حدیثا ھو لک بہ مصدق و انت لہ بہ کاذب۔ (سنن ابوداؤد، حدیث: ۴۹۷۱) ترجمہ: ''یہ ایک بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات بیان کرو، جس حوالے سے وہ تجھے سچا سمجھتا ہے: حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔''

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ شمار کیا ہے۔

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الا انبئکم باکبر الکبائر ثلاثاً، قالوا: بلی یا رسول اللہ، قال: الاشراک باللہ و عقوق الوالدین و جلس و کان متکئا فقال۔ الا وقول الزور۔ قال: فما زال یکررھا حتی قلنا: لیتہ سکت۔ (صحیح بخاری، حدیث:۲۶۵۴) ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں وہ گناہ نہ بتلاؤں جو کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے ہیں؟ تین بار فرمایا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ہاں، اے اللہ کے رسول۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا پھر آپ بیٹھ گئے، جب کہ آپ (تکیہ پر) ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر فرمایا: خبردار! اور جھوٹ بولنا بھی (کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ ہے)۔''

صرف یہی نہیں کہ ایسا جھوٹ جس میں فساد و بگاڑ اور ایک آدمی پر اس جھوٹ سے ظلم ہو رہا ہو، وہی ممنوع ہے، بلکہ لطف اندوزی اور ہنسنے ہنسانے کے لئے بھی جھوٹ بولنا ممنوع ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ویل للذی یحدث بالحدیث لیضحک بہ القوم فیکذب، ویل لہ، ویل لہ۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۳۱۵) ''وہ شخص برباد ہو جو ایسی بات بیان کرتا ہے، تاکہ اس سے لوگ ہنسیں، لہٰذا وہ جھوٹ تک بول جاتا ہے، ایسے شخص کیلئے بربادی ہو، ایسے شخص کے لئے بربادی ہو۔''

جھوٹ بولنا حرام ہے:

شریعت مطہرہ اسلامیہ میں جھوٹ بولنا اکبر کبائر (کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ) اور حرام ہے جیسا کہ قرآن و احادیث کی تعلیمات سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بآیات اللہ و اولئک ھم الکاذبون۔ (سورۂ نحل:۱۰۵) ترجمہ: ''پس جھوٹ افترا کرنے والے تو یہ ہی لوگ ہیں، جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔

(سورہ نحل: ۱۱۶) ترجمہ: اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے، ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر

جھوٹ لگاتے ہیں، وہ فلاح نہ پاویں گے۔"

چند موقعے سے جھوٹ کی اجازت: شیخ الاسلام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نوریؒ (۶۷۶-۶۳۱ھ) اپنی مشہور کتاب: "ریاض الصالحین" میں "باب بیان ما یجوز من الکذب" کے تحت رقمطراز ہیں: "آپ جان لیں کہ جھوٹ گرچہ اس کی اصل حرام ہے، مگر بعض حالات میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بات چیت مقاصد (تک حصول) کا وسیلہ ہے، لہٰذا ہر وہ اچھا مقصد، جس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن ہو، وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اگر اس کا حصول، بغیر جھوٹ کے ممکن ہی نہ ہو، وہاں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ پھر اگر اس مقصد کا حاصل کرنا "مباح" ہے: تو جھوٹ بولنا بھی مباح کے درجے میں ہے۔ اگر اس کا حصول واجب ہے، تو جھوٹ بولنا بھی واجب کے درجے میں ہے۔ چنانچہ جب ایک مسلمان کسی ایسی ظالم سے چھپ جائے، جو اس کا قتل کرنا چاہتا ہے، یا پھر اس کا مال چھیننا چاہتا ہے اور اس نے اس مال کو چھپا کر کہیں رکھ دیا ہو، پھر ایک شخص سے اس حوالے سے سوال کیا جاتا ہے (کہ وہ شخص یا مال کہاں ہے؟): تو یہاں اس (شخص یا مال) کو چھپانے کے لئے، جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی ہو، ایک ظالم شخص اس کو غصب کرنا چاہتا ہے، تو یہاں بھی اس کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ زیادہ محتاط طریقہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں "توریہ" اختیار کیا جائے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ (بولنے والا شخص) اپنے الفاظ سے ایسے درست مقصود کا ارادہ کرے، جو اس کے لحاظ سے جھوٹ نہ ہو، گرچہ ظاہر الفاظ اور مخاطب کی سمجھ کے اعتبار سے وہ جھوٹ ہو۔ اگر وہ شخص "توریہ" سے کام لینے کے بجائے صراحتاً جھوٹ بھی بولتا ہے، تو یہ ان صورتوں میں حرام نہیں ہے۔" (باب بیان ما یجوز من الکذب، ریاض الصالحین)

علماء کرام نے ان مذکورہ بالا صورتوں میں جھوٹ کے جواز پر، ام کلثومؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ مسلم شریف کے حوالے حدیث مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس و یقول خیرا و ینمی خیراً۔ قال ابن شهاب: و لم اسمع یرخص فی شیء مما یقول الناس کذب الا فی ثلاث: الحرب والاصلاح بین الناس و حدیث الرجل امراته و حدیث المرأة زوجها۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۶۰۵)

ترجمہ: "وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرواتا ہے اور اچھی بات کہتا ہے اور نیکی کی بات پہنچاتا ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں: میں نے آپ کو لوگوں کے جھوٹ بولنے کے حوالے سے کسی چیز میں رخصت دینے کی بات نہیں سنی، مگر تین مواقع پر، جنگ، لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اور خاوند کا اپنی بیوی سے باتیں کرنا اور عورت کا اپنے شوہر سے گفتگو کرنے میں۔ (جھوٹ بولنا)

جھوٹ اعتماد و یقین کو ختم کر دیتا ہے: مذکورہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ ہمیں جھوٹ بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ جھوٹ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لہٰذا جھوٹ بولنا دنیا و آخرت میں، سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے۔ جھوٹ اللہ رب العالمین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہے۔ جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے، جو دوسری بیماریوں کے مقابلہ میں بہت عام ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس جھوٹ سے انہوں نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ جب لوگوں کو جھوٹے شخص کی پہچان ہو جاتی ہے، تو لوگ اس کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔ جھوٹ بولنے والا شخص کبھی کبھار حقیقی پریشانی میں ہوتا ہے، مگر سننے والا اس کی بات پر اعتماد نہیں کرتا۔ ایسے شخص پر یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے اعتماد و یقین کو مجروح کر چکا ہے۔

(بقیہ.....صفحہ.....30.....پر)

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

نماز کی روح
خشوع و خضوع

نماز میں رکوع اور سجود اچھی طرح سے ادا نہ کرنے اور اطمینان وسکون کے بغیر نماز ادا کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین چوری قرار دیا ہے۔

قیام، قرآن کی تلاوت، رکوع، سجدہ اور قعدہ وغیرہ نماز کا جسم ہیں اور اس کی روح خشوع وخضوع ہے۔ چونکہ جسم بغیر روح کے بے حیثیت ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ نمازوں کو اس طرح ادا کریں کہ جسم کے تمام اعضاء کی یکسوئی کے ساتھ دل کی یکسوئی بھی ہوتا کہ ہماری نمازیں روح یعنی خشوع و خضوع کے ساتھ ادا ہوں۔ دل کی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بہ قصد خیالات وو ساوس سے دل کو محفوظ رکھیں اور اللہ کی عظمت وجلال کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی کوشش کریں۔ جسم کے اعضاء کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھیں، بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگیں بلکہ خوف وخشیت اور عاجزی وفروتنی کی ایسی کیفیت طاری کریں جیسے عام طور پر بادشاہ کے سامنے ہوتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں نماز کو خشوع وخضوع اور اطمینان وسکون کے ساتھ ادا کرنے کی بار بار تعلیم دی گئی ہے کیونکہ اصل نماز وہی ہے جو خشوع وخضوع اور اطمینان وسکون کے ساتھ ادا کی جائے اور ایسی ہی نماز پر اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا فرماتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خشوع وخضوع سے متعلق چند آیات قرآنیہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جن کی نمازوں میں خشوع ہے۔ (سورۃ المؤمنون: ۱-۲) صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کیا کرو۔ بیشک وہ نماز بہت دشوار ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ (سورۃ البقرۃ: ۴۵) تمام نمازوں کی خاص طور پر درمیان والی نماز (یعنی عصر کی) پابندی کیا کرو اور اللہ کے سامنے باادب کھڑے رہا کرو۔ (البقرۃ: ۱۴۸)

خشوع و خضوع سے متعلق چند احادیث نبویہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اقامت سنو تو پورے وقار، اطمینان اور سکون سے چل کر نماز کے لئے آؤ اور جلدی نہ کرو۔ جتنی نماز پالو پڑھ لو اور جو رہ جائے وہ بعد میں پوری کرلو۔ (صحیح بخاری)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ ایک اور صاحب بھی مسجد میں آئے اور نماز پڑھی پھر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ گئے اور جیسے نماز پہلے پڑھی تھی ویسے ہی نماز پڑھ کر آئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ اُن صاحب نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، آپ مجھے نماز سکھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر قرآن مجید میں سے جو کچھ پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ پھر رکوع میں جاؤ تو اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے

کھڑے ہو تو اطمینان سے کھڑے ہو، پھر سجدہ میں جاؤ تو اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے اٹھو تو اطمینان سے بیٹھو۔ یہ سب کام اپنی پوری نماز میں کرو۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان بھی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لئے اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر خوب خشوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے جس میں رکوع بھی اچھی طرح کرتا ہے تو جب تک کوئی کبیرہ (بڑا) گناہ نہ کرے یہ نماز اس کے لئے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور یہ فضیلت ہمیشہ کے لئے ہے۔ (صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر دو رکعت اس طرح پڑھتا ہے کہ دل نماز کی طرف متوجہ رہے اور اعضاء میں بھی سکون ہو تو اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف اس وقت تک توجہ فرماتے ہیں جب تک وہ نماز میں کسی اور طرف متوجہ نہ ہو۔ جب بندہ اپنی توجہ نماز سے ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ (نسائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز میں کس طرح چوری کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے ادا نہ کرنا۔ (غرض اطمینان و سکون کے بغیر نماز ادا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین چوری قرار دیا)۔ (مسند احمد، طبرانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اس طرح بعض کے لئے نواں حصہ، بعض کے لئے آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، صحیح ابن حبان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی نماز کی طرف دیکھتے ہی نہیں جو رکوع اور سجدہ کے درمیان یعنی قومہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے۔ (مسند احمد) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو رکوع اور سجدہ کو پوری طرح سے ادا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہو گیا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اگر تو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بغیر مرے گا۔ (بخاری) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم ہمارے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ نماز میں گھوڑے کی دُم کی طرح اپنے ہاتھ اٹھاتے ہو۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔ (مسلم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور نیز اس بات کا حکم فرمایا کہ نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔ (بخاری، مسلم) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوّے کی طرح ٹھونگے مارنے سے (یعنی جلدی جلدی نماز پڑھنے سے) اور درندہ کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے اور اس سے کہ کوء شخص مسجد میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر کر لے جیسے کہ اونٹ (اپنے اصطبل) میں ایک خاص جگہ مقرر کر لیتا ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، نسائی)

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کا طریقہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان بآواز ہوا خارج کرتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے پھر جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ واپس آ جاتا ہے۔ جب اقامت کہی جاتی ہے تو وہ پھر بھاگ جاتا ہے اور اقامت پوری ہونے کے بعد پھر واپس آ جاتا ہے تاکہ نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ چنانچہ نمازی سے کہتا ہے یہ بات یاد کر اور یہ بات یاد کر۔ ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو باتیں نمازی کو نماز سے پہلے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ

نمازی کو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں ہوئیں۔(مسلم۔ باب فضل الاذان) شیطان کی پہلی کوشش مسلمان کو نماز سے ہی دور رکھنا ہے کیونکہ نماز اللہ کی اطاعت کے تمام کاموں میں سب سے افضل عمل ہے۔ لیکن جب اللہ کا بندہ شیطان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا کر اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب عمل نماز کو شروع کر دیتا ہے تو پھر وہ نماز کی روح یعنی خشوع وخضوع سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ وہ نماز میں مختلف دنیاوی امور کو یاد دلا کر نمازی کی روح سے غافل کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں میں وارد ہوا ہے۔لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے اسباب اختیار کرے کہ جن سے نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے چند اسباب ذکر کئے جارہے ہیں۔اگر ان مذکورہ اسباب کو اختیار کیا جائے گا تو انشاء اللہ شیاطین سے حفاظت رہے گی اور ہماری نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا ہوں گی۔

نماز شروع کرنے سے پہلے:۱-جب مؤذن کی آواز کان میں پڑے تو دنیاوی مشاغل کو ترک کر کے اذان کے کلمات کا جواب دیں اور اذان کے اختتام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر اذان کے بعد کی دعا پڑھیں۔۲-پیشاب وغیرہ کی ضروریات سے فارغ ہوجائیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔کھانے کی موجودگی میں (اگر واقعی بھوک لگی ہو) نماز نہ پڑھی جائے اور نہ ہی اس حالت میں جب پیشاب پاخانہ کا شدید تقاضا ہو۔ (صحیح مسلم)۔۳-بسم اللہ پڑھ کر سنت کے مطابق اس یقین کے ساتھ وضو کریں کہ ہر عضو سے آخری قطرے کے گرنے کے ساتھ اس عضو کے ذریعہ کئے جانے والے صغائر گناہ بھی معاف ہورہے ہیں اور وضو کی وجہ سے اعضاء قیامت کے دن روشن اور چمکدار ہوں گے جن سے تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امت کے افراد کی شناخت فرمائیں گے۔ ۴-صاف ستھرہ لباس پہن لیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت ایسا لباس زیب تن کرلیا کرو جس میں ستر پوشی کے ساتھ زیبائش بھی ہو۔ (سورۃ الاعراف:۳۱) نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔(مسلم) وضاحت: تنگ لباس ہرگز استعمال نہ کریں، احادیث میں تنگ لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔نیز مرد حضرات پائجامہ یا کوئی دوسرا لباس ٹخنوں سے نیچے نہ پہنیں، احادیث میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ وغیرہ پہننے والوں کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔۵-جو چیزیں نماز میں اللہ کی یاد سے غافل کریں ان کو نماز سے قبل ہی دور کردیں۔۶-اپنی وسعت کے مطابق سخت سردی اور سخت گرمی سے بچاؤ کے اسباب اختیار کریں۔ ۷-شور وغل کی جگہ نماز پڑھنے سے حتی الامکان بچیں۔ ۸-مرد حضرات فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجدوں میں اور مستورات گھر میں ادا کریں۔ ۹-صرف حلال روزی پر اکتفا کریں اگرچہ بظاہر کم ہی کیوں نہ ہو۔۱۰-نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوجائے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہیں۔

نماز شروع کرنے کے بعد:۱-نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنی عاجزی وفروتنی اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی، عظمت اور علوشان کا اقرار کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر زبان سے اللہ اکبر کہیں، دل سے یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ ہی بڑا ہے اور وہی جی لگانے کے لائق ہے اس کے علاوہ ساری دنیا حقیر اور چھوٹی ہے، اور دنیا سے بے تعلق ہوکر اپنی تمام تر توجہ صرف اسی ذات کی طرف کریں جس نے ہمیں ایک ناپاک قطرے سے پیدا فرما کر خوبصورت انسان بنادیا اور مرنے کے بعد اسی کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی اس دنیاوی زندگی کا حساب دینا ہے۔۲-ثنا، سورۂ فاتحہ، سورہ، رکوع وسجدہ کی تسبیحات، جلسہ وقومہ کی دعائیں، التحیات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور دعاؤں وغیرہ کو سمجھ کر اور غور وفکر کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ پڑھیں۔

(بقیہ.....صفحہ.....25.....پر)

محترم ایوب بیگ مرزا

اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا

ایک محبت جو دل میں رچی بسی ہو، ایک نظریہ جو دماغ میں راسخ ہو چکا ہو، ظاہری طور سے اُسے بذریعہ قلم سپرد قرطاس کرنا کتنا آسان ہونا چاہئے؟ لیکن پھر کیوں مشکل ہو جاتا ہے محبوب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرنا؟ شاید اس لیے کہ سمندروں ڈونگے (سمندر سے گہرے) دل میں اُٹھنے والے طوفان پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہتا اور شاید اس لیے کہ دماغ میں یوں بجلیاں کوندنے لگتی ہیں کہ قلمکار ربط اور ترتیب اختیار کرنے میں دشواری محسوس کرنے لگتا ہے۔ کیا لکھوں کیا چھوڑوں، کسے نقطہ آغاز بناؤں، کسی اختتام کہوں۔ عدل کے گن گاؤں یا حکمت کی مدح سرائی کروں۔ شجاعت کی داد دوں کہ بندگی کی معراج جان سکوں..... حقیقت یہ ہے کہ وہ شجر ابھی زمین کی کوکھ سے جنم ہی نہیں لے سکتا جس کی شاخ سے وہ قلم تراشا جا سکے جو سیرتِ مطہرہ کی صفات و کمالات تحریر کرنے کا حق ادا کر سکے۔ ایک شاعر شکوہ کے انداز میں خالق کائنات کے حضور عرض گزار ہے کہ ایسی بے مثل ہستی اگر ہماری راہ نمائی کے لیے اس دنیا کی قسمت میں تھی تو پھر ہمیں ایسی زبان بھی مل جاتی کہ رحمۃ للعالمین کی ثنا خوانی کا سلیقہ پا لیتے۔ قارئین یقین جانیں ہم شاعری نہیں کر رہے، اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں اور ہماری یہ بے بسی بالکل قابل فہم ہے، جب اسد اللہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام شخص یوں گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گزاشتیم
کان ذاتِ پاک، مرتبہ دان محمد است

طائف میں سرداروں کے اشارے پر اتنی سنگ باری کرتے ہیں کہ خون سے بھری ہوئی جوتیوں سے پاؤں الگ کرنے مشکل ہو جاتے ہیں، لیکن ایسے میں بھی فرشتے کی اس استعداد کو رد کر دینا کہ اس بستی کو پہاڑوں کے درمیان مسل کر تباہ کر دیا جائے، اس لیے کہ شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے، کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ آج وہ اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی، فتح مکہ کے موقع پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ اونٹ کہ کجاوے کو چھونا چاہے۔ فاتح مکہ کی حیثیت سے پہلا کام یہ کرنا کہ اپنے خون کے پیاسوں اور جان کے دشمنوں کی عام معافی کا اعلان کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بلند مرتبت ہستی کی شان ہے۔ آدم و حوا کی اولاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واحد ہستی ہیں جن کے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے سننے، رہنے سہنے اور پہننے اُتارنے کا انداز نہایت محفوظ ہے۔ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت، جس کے سامنے فرشتوں کے پاس بحکم خدا سجدہ کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگرچہ وہ سجدہ اللہ رب العزت کے حکم سے ہوا، یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ بس وہ وہی العلیم، الحکیم اور العزیز ہے۔ اس بزرگ کے اس صحیح انتباہ کے باوجود سمندر میں پانی کا ایک قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنی چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ پھر یہ کہ اس حوالہ سے تحریر و تقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کرنی چاہیے کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ رب العزت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) کہہ کر رب کریم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی شان واضح کرتا ہے۔ گویا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ضخیم کتاب بھی آپ کے صفات و کمالات کے ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک قطرہ پانی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

امت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومنے چاٹنے، اسے ریشمی غلاف میں لپٹا کر اونچا رکھنے اور زیادہ سے

زیادہ محض اس کی ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کل دینی فریضہ سمجھتے ہیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ثنا خوانی اور نعت گوئی سے مطمئن ہوجاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی تکریم کے باوجود اس کو کتاب ہدایت نہ سمجھیں، اسے اپنا امام نہ بنائیں، اس کے اوامر ونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں تو کیا ہم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرسکیں گے؟ بلکہ یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کیا اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حق دار قرار پائیں گے؟ بلاتشبیہ عرض کئے دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! کیا ایک عام شریف النفس انسان بھی پسند کرے گا کہ کوئی اس کی تعریف توصیف بہت کرے، لیکن طرز زندگی بالکل مختلف رکھے، اس کی پسند وناپسند کا قطعی کوئی لحاظ نہ کرے اور خود کو اس کی تعلیمات کا پابند نہ سمجھے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ زبان درود وثنا سے تر ہو اور انسان ہر عمل سے پہلے دیکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟ باقی سب ہیچ ہے۔

آج امت مسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے گئے ہیں جو استحصالی ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑ رکھے ہیں، اس باطل نظام نے انسان کے منھ کو انسان کا خون لگا دیا ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے درندگی اور بربریت ہے۔ معاشی سطح پر استحصال اور لوٹ مار ہے۔ معاشرتی سطح پر عدم مساوات ہے، عریانی اور بے حیائی ہے۔ جب کہ قرآن نے انسان کو جو دل وقسط پر مبنی نظام دیا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کی مدد سے قائم ونافذ کیا، وہ عملاً آج متروک ہوچکا ہے۔ اب اگر آج کوئی نعت خواں کسی ظالم وطاغی حکمران کے مرمریں محل میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، لیکن عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ ہمارا اوّلین فریضہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگادیں جس کی خاطر آپ مکہ کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے، طائف میں سنگ باری برداشت کی، حرم میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے، احد کے میدان میں دندان مبارک شہید کروائے اور غزوہ احزاب کے موقع پر پیٹ پر دو دو پتھر باندھے۔

آیئے سیرت مبارکہ کے اس حصہ پر غور کریں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کر اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کریں اور دنیا کو جنت نظیر بنائیں۔ تب ہماری زبان کو زیب دے گا کہ ہم کہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دست گیری کی

OOO

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہے اور بعض لوگوں کا کئی سال کا بقایا ہے۔ ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

رضوان کا سالانہ چندہ مبلغ -/300 روپے ہے۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

ذکی الرحمان غازی مدنی

روحِ جہاد کی نفی

بعض کوتاہ فہم، غالب مغربی تہذیب و ثقافت سے مرعوب ہیں۔ ان کے خیال میں اسلامی جہاد صرف انہی واقع پر مشروع ہوتا ہے جب حملہ آور دشمن سے مقابلے میں دارالاسلام کے دفاع کی ضرورت پیش آجائے۔ بعض مفکرین روحِ جہاد، مغزِ جہاد اور حقیقت جہاد جیسے عنوانوں سے دن رات یہی ثابت کرنے میں جُٹے ہوئے ہیں مغربی ممالک، امریکہ اور یورپ چاہے کھلے عام مسلمہ بین الاقوامی اصولوں کو پامال کریں، کسی بھی ملک کے خلاف یک طرفہ جنگ شروع کردیں، اپنی بالادستی اور مفاد کے تحفظ کے لیے پورے خطوں کو عدم استحکام اور بحرانی حالات کی دلدل میں ڈال دیں، ان کے نیازمند مفکروں کی زبان سے ان زیادتیوں کی مذمت کا ایک لفظ نہ نکلے گا اور نہ اس موضوع پر ان کی کوئی تحریر سامنے آئے گی۔ ان کا سارا زور صرف اس امر پر صرف ہوگا کہ مسلمان اقدامی جہاد سے توبہ کرلیں، باقی ساری، دنیا اقدامی جنگ کرتی ہے تو کرے۔

مغربی استادوں کے مسلم شاگردوں نے جہاد کے سلسلے میں خامہ فرسائی کی ہے۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ جہاد کے احکام کی تاویل کرکے انہیں مغرب کے لئے قابل قبول بنالیا جائے۔ زیادہ زور اس نکتے پر دیا ہے کہ جہاد ہمیشہ دفاعی ہوتا ہے، اقدامی نہیں ہوتا۔ اس جدید تصور جہاد کی صریحاً تردید کرنے والی قرآن وسنت کی نصوص کو نظر انداز کردیا گیا اور اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے جہاد کی ایسی کمزور تاویلیں پیش کی گئی ہیں کہ ایک بچہ بھی انہیں درست ماننے سے انکار کردے۔

لغوی تحقیق :

اس سلسلے میں لمبی چوڑی بحث سے قبل، ایک اہم پہلو پر غور کرنا چاہیے بالفرض کسی نے جہادِ اقدامی سے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو (جو بلا مبالغہ سیکڑوں ہیں) جھوٹی کہہ کر رد کردیا۔ پھر قرآن کریم میں وارد جہاد سے متعلق تمام آیتوں کی یہ تاویل بھی کردی کہ ان سے مراد صرف دفاعی جہاد ہے، تب بھی ہم اس حقیقت کو کیسے فراموش کریں کہ مجاہدین کو غازی، اور ان کے اقدامات کو غزوے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اب غور کیجیے کہ کیا کسی لغت، ڈکشنری یا عہد جاہلیت کے شعر میں غازی اور غزوہ سے مراد دفاعی جہاد ہے؟ اس آیت کریمہ کا مفہوم کیا ہے؟

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقَالُوا۟ لِإِخْوَٰنِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُوا۟ غُزًّى لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟۔

(آل عمران:۱۵۶)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز واقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا غزوے میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثے سے دوچار ہوجاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔“

یہاں قرآن بتارہا ہے کہ اہل ایمان جنگ کے لیے باہر نکلے ہوئے تھے، اپنے گھروں اور بستیوں میں بیٹھ کر دفاع نہیں کررہے تھے۔ اسی لیے تو منافقین نے کہا تھا کہ ”لوکانوا عندنا“ یعنی وہ یہیں گھروں میں بیٹھ رہتے تو بچ جاتے۔ ہم غزوہ یا جہاد اقدامی کا صریح تذکرہ کرنے والی اس آیت کی کیا تفسیر کریں گے؟ پھر صحیح بخاری وصحیح مسلم اور دیگر جملہ کتب حدیث میں وارد غزوات سے متعلق حدیثوں کا مفہوم کیا ہوگا؟

ایمان کی علامت :

صحیح بخاریؒ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (جنگ کی صورت میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمیں لے کر کسی قوم پر حملہ آور ہوتے تو صبح سے پہلے حملہ نہ کرتے۔ اگر صبح کے وقت اذان سنائی دیتی تو اس بستی پر حملے سے رک جاتے اور اگر اذان سنائی نہ

دیتی تو حملہ کردیتے۔ (صحیح بخاری:۱۰) کیا اسے دفاعی جہاد کہا جائے گا؟ صحیحین میں جہاد کی فضیلت اور غازی کو اسلحہ جنگ فراہم کرنے کی فضیلت اور اجر وثواب بیان ہوا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مرجائے اور کبھی جہاد میں شریک نہ ہو اور نہ اس کی تمنا کرے، وہ نفاق کی موت مرا۔ (صحیح مسلم:۱۹۱، عن ابی ہریرہؓ) حضرت زیدؓ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو اللہ کے راستے میں کسی غازی کو سامان فراہم کرے تو گویا اس نے خود بھی جہاد کیا، اور جو اللہ کے راستے میں جانے والے کسی غازی کی خیر کے ساتھ (اس کے بال بچوں کی نگہ داشت میں) نیابت کرے تو اس نے بھی جہاد کیا۔“ (صحیح بخاریؒ:۲۸۴۳۔ سنن نسائی:۳۱۸۰۔ سنن ابن ماجہ:۲۷۵۹) بہت سی حدیثوں میں ان رشتے اور عورتوں کے یہاں جانے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جن کے شوہر جہاد کے لیے باہر گئے ہوئے ہوں۔ (سنن ترمذی:۱۱۷۲، عن جابرؓ) سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جہاد اقدامی تھا ہی نہیں تو یہ ہدایت کیوں؟

سورۂ توبہ کی اس آیت پر غور کریں:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ، تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔ (توبہ:۹۲) ”اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آکر تم سے درخواست کی کہ ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔“ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبے سفر کرکے دفاعی جہاد کیا تھا؟ کہ زادِ سفر اور سواری نہ ہونے کی وجہ سے کچھ صحابہ کرامؓ جنگ میں شرکت سے معذور تھے؟ یا پھر یہ جہادِ اقدامی تھا جس میں یہ خبر آنے پر کہ رومیوں نے جنگی تیاریاں شروع کردی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر جنگ کا فیصلہ کیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ آیت کریمہ بہ اتفاق مفسرین غزوۂ تبوک کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

اقدام اور دفاع:

قرآن نے خود اقدامی و دفاعی جہاد کی تقسیم کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِادْفَعُوْا۔ (آل عمران:۱۶۷) ”وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم دفاع ہی کرو۔“ اگر دفاع کرنا ہی کل جہاد ہے تو یہاں دفاع کا الگ تذکرہ کیا معنی رکھتا ہے؟

علامہ ابن القیمؒ نے قیمتی بات کہی ہے کہ ”جہادِ دفاع تو ہر ایک شخص کرسکتا ہے۔ صرف بزدل اور لائق مذمت شخص ہی شرعاً یا عقلاً اس سے گریز کرنا چاہے گا۔ رہا جہادِ طلب جو خالصتاً اللہ کی خاطر کیا جاتا ہے تو اسے اہل ایمان کے سرگرم گروہ اور سابقین و سادات ہی کرسکتے ہیں۔“ (الفروسیۃ، ابن القیم، تحقیق: زائد النشیری: ص-۱۲۴)

ماضی میں مسلمان اس محرومی کا غم کھاتے تھے کہ ہمیں شرعی جہاد میں شرکت کا شرف نہیں ملا جسے سچے اہل ایمان کررہے تھے اور جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ اور ان کے متبعین نے کیا۔ مگر اللہ کے عفو وکرم کی امید بہرحال رہتی تھی کیونکہ اس نے ایک گنجائش چھوڑ رکھی تھی جو اس محرومی میں سہارا اور مداوا بن جاتی تھی۔ وہ بات تھی کہ مسلمان دل میں شہادت کی تمنا اور جہاد کا شوق رکھتے تھے اور رب کریم کے تعلق سے یہ حسنِ ظن رکھتے تھے کہ اس نیت اور شوق کی وجہ سے ونفاق کی موت سے محفوظ فرمائے گا اور اجرِ شہادت سے نوازے گا۔ صحیح مسلمؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ ارشاد نبوی نقل ہوا ہے کہ ”جو مرجائے اور اس نے جہاد نہ کیا اور نہ دل سے اس بارے میں گفتگو کی تو وہ نفاق کے ایک حصے پر مرا۔“ (صحیح مسلم:۱۹۰۱)

اللہ سے تعلق:

اب یہ شقاوت اور بدبختی ہے کہ ہماری صفوں سے ایسے نام نہاد مفکرین اور مجتہدین سامنے آرہے ہیں جو اللہ کے ساتھ ہمارے اس آخری تعلق کو بھی منقطع کرنا چاہتے ہیں اور بلا دلیل کہہ رہے ہیں کہ ”نادانو! دل میں اقدامی جنگ یا جہاد کا خیال لانا بھی گناہ ہے، اس سے بچو، کیونکہ اسلام میں طلبی واقدامی جہاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ تو سب ملاؤں کی پھیلائی غلط فہمی ہے۔“ یہ اللہ کے ساتھ ہمارے آخری قلبی رابطہ سے ہمیں محروم کرنا چاہتے

ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اب نہ ہم عملاً جہاد کریں اور نہ دل میں جہاد کا خیال یا امنگ لائیں۔

انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

یہ بات اہم نہیں کہ ہم آج جہاد طلب کے دینی شعار پر عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ظاہر ہے جہاد طلب کی انجام دہی کے لئے تیاری، نظم جماعت اور مسلم ریاست کی شرط ہے۔ وہ آج یہاں موجود نہیں۔ اس لئے عملاً ہم جہاد نہیں کر سکتے۔ شرعاً اس کی گنجائش نہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شریعت کے جملہ احکام کے لیے اصول موجود ہے کہ انسان شریعت پر عمل کا اپنی استطاعت کے مطابق ہی مکلف ہے، یہ اصول جہاد کے لیے بھی استعمال ہوگا۔ پھر بھی جہاد کا انکار کرنے والوں اور مخلصین کے درمیان فرق یہ ہے کہ جہاد کے قائلین شرعی تصورات و مفاہیم کی حفاظت کر رہے ہیں، حتی المقدور شریعت کے نظریاتی فہم کو خالص رکھنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس آج فکر جدید کے نام پر دین میں تحریف کا دروازہ بعض نادانوں نے کھول دیا ہے، اس سیلاب کے آگے یہ اللہ کے بندے سینہ سپر ہیں۔ مغربی سیاسی دباؤ میں آج بعض مسلمان ملکوں کی حکومتیں بھی اُن غلط فکری رجحانات کو فروغ دے رہی ہیں جو امریکی مطالبات سے ہم آہنگ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ کے ایسے بندے دنیا میں موجود ہیں جو کسی غلط دباؤ کو نہیں مانتے، اور ایک اللہ سے مغفرت کی آس لگائے ہوئے ہیں۔

○○○

بقیہ.....نماز کی روح: خشوع و خضوع

اگر تدبر و تفکر نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا معلوم ہو کہ نماز کے کس رکن میں ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں۔ ۳-اس یقین کے ساتھ نماز پڑھیں کہ نماز میں اللہ جل شانہٗ سے مناجات ہوتی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔ نیز دوسری حدیث میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے دوران اللہ تعالیٰ ہر آیت کے اختتام پر بندہ سے مخاطب ہوتا ہے۔ ۴-اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، نیز بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگیں۔ ۵-سجدہ کے وقت یہ یقین ہو کہ میں اس وقت اللہ کے بہت زیادہ قریب ہوں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (مسلم)۔ ۶-نماز کے تمام ارکان و اعمال کو اطمینان اور سکون کے ساتھ ادا کریں۔ ۷-نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق نماز ادا کریں۔ ۸-نماز میں خشوع و خضوع کی کوشش کے باوجود اگر بلا ارادہ دھیان کسی اور طرف چلا جائے تو خیال آتے ہی فوراً نماز کی طرف توجہ کریں۔ اس طرح بلا ارادہ کسی طرف دھیان چلا جانا نماز میں نقصان دہ نہیں ہے (ان شاء اللہ) لیکن حتی الامکان کوشش کریں کہ نماز میں دھیان کسی اور طرف نہ جائے۔

○○

ماہنامہ رضوان کے بارے میں تفصیلات

(فارم نمبر ۸ کے مطابق)

مقام اشاعت	:	۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸
وقفہ اشاعت	:	ماہنامہ
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر	:	محمد حمزہ حسنی
ملکیت	:	مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	۱۷۲/۵۴، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸

میں محمد حمزہ حسنی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میری سمجھ کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

محمد حمزہ حسنی

تحریر: ڈاکٹر محسن محمد صالح۔ اردو استفادہ: محمد زکریا خان

فلسطین کی بابت

چالیس اہم تاریخی حقائق

اسلام میں پانچ ایسی ٹھوس بنیادیں ہیں جن کی بدولت امت مسلمہ ایک متحدہ امت قرار پاتی ہے اور ان کے درمیان الفت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے، عقیدۂ اسلام، شریعت مطہرہ، ثقافت، تصور امت اور دارالاسلام۔

''امت کا تصور'' ایک ایسا دائرہ ہے جس میں اسلام لانے والی ہر قوم، ہر وطن، نسل اور رنگ کا انسان اپنے اندر ایک وحدت کا شعور رکھتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے اس فرمان کے مصداق کہ تمہاری مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب جسم کے کسی ایک عضو میں ٹیس اٹھتی ہے تو پورا جسم اس درد کو محسوس کرتا ہے۔ جب بھی کسی خطے سے کسی مظلوم مسلمان کی فریاد بلند ہوتی ہے تو یہ آواز پوری امت سنتی ہے خواہ کوئی مسلمان دنیا کے کسی دور دراز گوشے میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کو وحدت کے حوالہ سے اتنی عظیم الشان اور مقدس قدریں حاصل ہیں کہ وہ ان کی بدولت ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتی ہے جو کوئی دوسری قوم ہزاروں سال میں بھی نہیں دے سکتی۔ جب امت اپنے اصولوں پر راسخ تھی تو اس امت نے محض اسی (۸۰) برسوں میں دنیا کے ایک نہایت وسیع خطے پر وہ اثرات ڈال دیے تھے جو اس سے پہلے روما کی شہنشاہیت آٹھ صدیوں میں نہ ڈال پائی تھی۔ پھر اسلام فتوحات روما کی طرح استعماری عوامل کے زیر اثر بھی نہیں تھیں۔ حق یہ ہے کہ اسلامی قلمرو میں آنے والے خطے تاریخ میں پہلی بار آزادی سے روشناس ہوئے اسلامی فتوحات غلامی سے آزادی کا پروانہ ہوا کرتی تھیں۔ البتہ جب مسلمانوں کی جانب سے لوگوں کو آزادی کی فضاؤں سے روشناس کرنے کے بجائے ان سے وہی سلوک کیا جانے لگا جو بادشاہ اپنی رعایا سے کرتے ہیں تو اعداء ان پر مسلط ہوگئے۔

دو صدیوں تک عالم افرنگ نے صلیبی جنگوں (۴۸۹ھ۔۶۹۰ھ) سے نہ صرف اسلامی پھیلاؤ میں رکاوٹ ڈال دی بلکہ کچھ ہی عرصے بعد تاتاریوں نے مسلمانوں کی عظمت خاک میں ملادی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے دوبارہ ہدایت کی راہ اختیار کی تو ایک مرتبہ پھر انہوں نے اتنی قوت (سلطنت ممالیک اور بعد ازاں سلطنت عثمانیہ) حاصل کرلی کہ جس کی وجہ سے صدیوں تک استعمار ان کے خطوں میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرسکا۔

جب مسلمان اپنے مقدس اصولوں پر جمع تھے تو نہ صرف وہ دس صدیوں تک دنیا کی سب سے بڑی قوت رہے بلکہ علم وترقی اور ثقافت میں بھی وہ دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیا کی تاریخ میں اگر ''فرسٹ ورلڈ'' کی کوئی اصطلاح ہے تو وہ گزشتہ میلینیم میں مسلمان تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جس میں یورپ جہالت اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

سقوط غرناطہ (اسپین) (۱۴۹۲ء) کے بعد مسلم خطوں پر مغربی استعمار کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد نپولین (۱۷۹۸ء) نے مسلمانوں کے مرکزی علاقہ پر حملہ کیا اور ایک کے بعد دوسرا خطہ استعمار کی جھولی میں گرتا چلا گیا۔ زوال کی انتہاء یہ ہوئی کہ ۱۹۲۴ء میں عثمانی خلافت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوگیا۔ کاش سقوط خلافت صرف

سیاسی زوال ہوتا۔ مغربی استعمار نے نہ صرف سیاسی غلبہ حاصل کرلیا تھا بلکہ ان کے ہاں جو اجتماعیت کے گھٹیا اصول تھے، مانند وطن پرستی، قوم پرستی اور دوسری نسلوں سے نفرت وغیرہ، یہ سب زہر امت کے جسد میں گھول دیے گئے۔ مسلم امہ کی ذہنی ساخت تبدیل ہونے کے بعد وہ وحدت کے اصولوں سے ناآشنا ہوگئے اور ہر علاقہ، ہر خطہ اور ہر جغرافیائی اکائی صرف اپنی آزادی اور اپنے حقوق کی جنگ لڑنے لگی۔ اجتماعی شعور سے کوسوں دور اور گردوپیش سے تغافل برتتے ہوئے۔

مسلمانوں کی وحدت تو پہلے ہی دوسرے اجنبی شعاروں کی وجہ سے پارہ پارہ تھی، اس پر مستزاد استعمار نے مسلمانوں کے مرکز اور مقدس مقام میں صیہونی ریاست کا ناسور کھڑا کردیا۔ امت مسلمہ کی وحدت اور شعوری بیداری کے امکان کو ختم کرنے کے لئے عالم اسلام کے وسط میں صیہونی ریاست کا وجود استعمار کی ایک سوچی سازش ہے۔ عرب اتحاد ہو یا عالم اسلام کا اتحاد ہو اس میں سب سے بڑی رکاوٹ اسرائیل ہے۔

جہاں تک استعماری ہتھکنڈوں کا تعلق ہے جن کے ذریعے استعمار نے وحدت امت کے تصور کے بجائے دوسرے ''ازم'' عالم اسلام میں داخل کئے۔ تو مغرب کی یہ خدمت عالم اسلام میں سے چند سیاسی ضمیر فروش لوگوں نے کی ہے۔ جہاں تک باشعور مسلم عوام ہیں تو وہ اب بھی قومی، وطنی یا نسلی اکائیوں کو نہیں مانتے ہیں اور امت کے اجتماعی وجود کا تصور اپنے قلب وشعور میں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ مسئلہ فلسطین (جہاں المناک ہے وہاں) اس مسئلے نے امت کے وحدت کے شعور کو بھی بیدار رکھا ہوا ہے۔ صیہونی عزائم سے بھی عوام مسلمان اس لئے باخبر ہیں اور اسے ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہیں کیونکہ فلسطین میں صیہونی ریاست موجود ہے۔ فلسطین سے اہل اسلام کی تعلق داری محض اتنی نہیں کہ اس سرزمین کے باسی مسلمان ہیں اور اس پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ فلسطین میں القدس کا مقدس شہر ہے جہاں مسجد اقصیٰ ہے۔ یہ خطہ مسلمانوں کے مقدس مقامات میں مسجد حرام کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ مسئلہ فلسطین سے اہل اسلام کی وابستگی کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس خطے نے اور مسلمانوں کے عقیدے نے انہیں ایک جسم کی مانند کردیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کی طرف اگر سواریاں کھینچی چلی جاتی ہیں (تین مسجدوں کا قصد کرکے سفر کرنا ہمارے دین میں بہت بڑی نیکی کا کام ہے بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ قصد کرکے کسی عبادت گاہ کا رخ نہیں کیا جاسکتا، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) تو ارض فلسطین پر یہودی قبضے کی وجہ سے مسلمانوں کا شعور ایک جیسا ہے یہاں تک کہ عوام مسلمان اپنے خطے اور علاقے کے مسائل سے بھی زیادہ اہمیت اس مسئلے کو دیتے ہیں۔

اس مضمون میں مسئلہ فلسطین کے بنیادی حقائق بہت عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کا متن ہر عربی اور عجمی مسلمان کو ازبر ہوجانا چاہیے بلکہ دنیا کے ہر معتدل انسان کو اس مضمون میں مذکور سچائیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر محسن محمد صالح کی یہ کاوش اگرچہ بنیادی طور پر فلسطین کے مسئلے کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہے لیکن صیہونی خطرہ صرف فلسطین کے خطے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ خطرہ پورے عالم اسلام کو ہے، یہودیوں کے نزدیک داؤد کی سلطنت (اسرائیل) فلسطین تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ مشرق ومغرب چہار سو دریائے فرات سے جنوب میں خط استواء تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے مسلمان اس مسئلے کو سب سے زیادہ سنگین سمجھتے ہیں اور تمام دشمنوں سے بڑھ کر اس دشمن سے نبرد آزما ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

مسئلہ فلسطین: تاریخی حقائق کے تناظر میں ایک اسلامی تجزیہ

(۱) فلسطین کا حدود اربع:

ملک شام کے جنوب مغربی علاقے کو فلسطین کہتے ہیں۔ فلسطین براعظم ایشیاء

کے مغرب میں بحر ابیض متوسط (Mediterranian Sea) جس کا دوسرا نام بحیرۂ روم رہا ہے، کے ساحل پر واقع ہے۔ فلسطین ایک طرف براعظم افریقہ اور ایشیا کے درمیان پل کا کام کرتا ہے تو دوسری طرف براعظم یورپ کے انتہائی قریب واقع ہے۔ فلسطین کے شمال میں لبنان ہے، مشرق میں اردن اور جنوب مغرب میں مصر واقع ہے۔ فلسطین کا موجودہ رقبہ ۲۷ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ آب وہوا کے لحاظ سے یہ خطہ معتدل سمجھا جاتا ہے۔

(۲) تہذیب و تمدن کا پہلا گہوارہ: فلسطین کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق گیارہ ہزار سال پہلے جہاں سب سے پہلے انسان نے زمین سے فصل اگائی اور جہاں پہلی مرتبہ انسان بستی بنا کر رہنے لگے وہ سرزمین فلسطین تھی۔ دنیا کا قدیم ترین شہر اریحا اسی سرزمین میں تہذیب وتمدن کا اوّلین گہوارہ بنا تھا۔ گزشتہ آٹھ ہزار سالوں سے یہ شہر آباد چلا آرہا ہے۔

(۳) اس خطے کے فضائل:

سرزمین فلسطین تمام مسلمانوں کے لئے ایک مقدس مقام ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر فلسطین کو مبارک سرزمین کہا گیا ہے۔ یہیں پر مسجد اقصیٰ واقع ہے جو اہل اسلام کا پہلا قبلہ اور زمین پر مسجد حرام کے بعد دوسری مسجد ہے۔ یہاں اس مسجد میں نماز پڑھنے کا درجہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد فضیلت رکھتا ہے۔ یہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے تھے۔ معراج کی منزل سے پہلے مکہ مکرمہ سے آپ ایک ہی رات میں یہاں وارد ہوئے تھے۔ یہ بے شمار نبیوں کی دعوت کی بھی سرزمین ہے اور ان کا مدفن بھی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس سرزمین پر حشر ہوگا اور اسی سرزمین پر لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ آخری معرکہ (مسیح بن مریم اور یہودیوں کے دجال) میں مسلمانوں کا پڑاؤ (دارالاسلام) یہیں ہوگا۔ اس سرزمین کو یہ حیثیت بھی حاصل ہے کہ یہاں محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مقیم ہونا دوسری جگہ جہاد کرنے کے مساوی فضیلت رکھتا ہے۔ اس خطے میں ہمیشہ ایک ایسا گروہ ہوگا جو حق پر قائم رہے گا۔

(۴) تورات و انجیل میں اس خطے کی عظمت: ارض فلسطین صرف مسلمانوں کے نزدیک ہی مقدس سرزمین نہیں ہے، یہود و نصاریٰ کی مذہبی تعلیمات کے لحاظ سے بھی یہ مقدس زمین ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ تورات میں جس سرزمین کو ارض موعود کہا گیا ہے وہ یہی خطہ ہے۔ یہودی اس زمین سے اپنا تاریخی رشتہ سمجھتے ہیں۔ یہ سرزمین بنی اسرائیل کے انبیاء کا مدفن ہے۔ یہودی مقدسات بھی یہاں موجود ہیں، قدس یا بیت المقدس میں بھی اور فلسطین کے دوسرے شہر الخلیل میں بھی۔

دوسری طرف عیسائی اس سرزمین کو عیسائیت کا گہوارہ سمجھتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت یہیں ہوئی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا میدان بھی یہی سرزمین تھی اور یہاں عیسائیوں کے اہم ترین دینی مراکز بیت المقدس، بیت اللحم اور ناصرہ کے شہر میں واقع ہیں۔

(۵) بنی اسرائیل کے انبیاء کی بابت مسلمانوں کا عقیدہ:

مسلمانوں کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ وہ داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اور صالحین کے حقیقی اور جائز وارث ہیں۔ بلاشبہ بنی اسرائیل کے انبیاء نے اللہ کی توحید قائم کرتے ہوئے یہاں ایک عرصے تک حکومت کی تھی۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کا دین دین توحید تھا جس کے اصلی وارث اب اہل اسلام ہیں۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کی وراثت دین کی وراثت ہے۔ توحید کا علم مسلمانوں نے اٹھا رکھا ہے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ بنی اسرائیل ہدایت کا راستہ چھوڑ چکے ہیں۔ یہودی اپنی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے جس کی پاداش میں خدا کا غضب اور لعنت ان کی وراثت میں آئی ہے۔

(۶) غیر مسلموں سے

مسلمانوں کے اصول سیاست: مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد بار یہاں حکومت کی ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی اصول وسعت نظری، درگزر کرنا، دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو انسانی برابری کے اصول پر جینے کا حق دینا۔ ان کے تمام حقوق ادا کرنا خصوصاً بیت المقدس میں مقیم غیر مسلموں سے تو حکومت اور بھی نرمی سے پیش آیا کرتی تھی (کیونکہ اسلامی عقیدے کی رو سے یہ ارض مقدس ہے جہاں اللہ کو فساد ناپسند ہے) دوسری طرف یہاں جب بھی حکومت غیر مسلموں کے پاس آئی تو انہوں نے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کو ہرگز برداشت نہ کیا۔ انہیں ہر طرح کی اذیت پہنچاتے تھے اور جلد از جلد غیر مذہب کے پیروکاروں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔

(۷) ارض فلسطین کے اولین باشندے: علم تاریخ کی رو سے خطہ فلسطین کو جس قوم نے سب سے پہلے آباد کیا تھا، وہ جزیرہ عرب سے نقل مکانی کرنے والے کنعانی تھے۔ یہ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ کنعانیوں نے یہاں اپنی ثقافت اور طرز زندگی کو رائج کیا۔ تاریخ کے اس دور میں یہ خطہ ارض کنعان کہلاتا تھا۔ جہاں تک موجودہ فلسطینی آبادی کا تعلق ہے تو یہ نسل بھی کنعان کے سلسلے سے ہے یا پھر ان اقوام کے اختلاط سے ان کا تعلق ہے جو بحیرہ روم کے مشرقی علاقوں میں آباد تھے جنہیں اس وقت "بلست" یا "فلستی" کہا جاتا تھا جو ارض کنعان میں آباد ہوگئے تھے۔ سیاسی لحاظ سے فلسطین پر مختلف قوموں کی حکمرانی رہی ہے لیکن فلسطین کو بغیر کسی انقطاع کے آباد رکھنے والی ایک ہی قوم رہی ہے جو کہ خود فلسطینی ہے۔

ظہور اسلام کے بعد فلسطینیوں کی اکثریت مسلمان ہوگئی تھی اور وہاں کی سب سے زیادہ بولی جانے والی بھی عربی زبان بن گئی۔ ۱۵ ہجری سے لے کر تادم تحریر فلسطین کی ایک ہی شناخت اسلام رہی ہے اور تاریخ کے اس طویل ترین عرصے میں اسلام کے علاوہ ان کی اور کوئی شناخت نہیں رہی۔ اسلامی شناخت میں اس سے بھی فرق نہیں پڑا کہ وہاں کی اصل آبادی کا ایک حصہ یہودیوں کے جبر کی وجہ سے ۱۹۴۸ء میں دوسرے ممالک میں ہجرت پر مجبور کردیا گیا تھا۔

(۸) صیہونیوں کا جھوٹا دعویٰ: یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ بھی تاریخ قدیم سے اس سرزمین کے آبادکار رہے ہیں، تاریخی حقائق اس دعوے کو جھٹلاتے ہیں۔ فلسطینی تو اس سرزمین کی آبادکاری میں گزشتہ پندرہ سو سال سے مصروف کار ہیں جب کہ اسرائیل کا جبری قیام تو آج کی بات ہے۔ یہ درست ہے کہ تاریخ کے ایک حصے میں بنواسرائیل کو فلسطین کے بعض حصوں میں حکومت کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی فلسطین کے بعض حصوں میں نہ کہ پورے فلسطین میں۔ یہ کوئی چار سو سال کا عرصہ بنتا ہے۔ خاص طور پر ۵۸۴ قبل مسیح سے لے کر ۱۰۰۰ قبل مسیح تک۔ اس کے بعد بنواسرائیل ارض کنعان سے نقل پذیر ہوگئے۔ ۱۹۴۸ء تک انہیں اپنا آبائی وطن یاد ہی نہ رہا۔

دراصل فلسطین کے بعد حصوں میں بنواسرائیل کی حکمرانی کی وہی حیثیت ہے جو اس سرزمین میں دوسرے نوواردوں کی حکمرانی کی ہے۔ فلسطین میں دوسرے خطوں کی اقوام آکر حکمرانی کرجایا کرتی ہیں لیکن اس خطے کو جو قوم مسلسل آباد رکھے ہوئے ہے اور جو اسے اپنا وطن سمجھتی ہے وہ صرف ایک ہی قوم، فلسطینی رہی ہے۔ بنواسرائیل کی فلسطین میں حکمرانی کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جتنی دوسری غیر قوموں کی فلسطین پر حکمرانی۔ جیسے آشوری عہد یا فارس کی حکمرانی، مصر کے فراعنہ کی حکمرانی یا یونانیوں اور رومیوں کی فلسطین پر حکمرانی۔ ہر حاکم قوم کا اقتدار بالآخر زوال پذیر ہوا اور فلسطینیوں کا وطن جیسے پہلے اہل فلسطین کے پاس تھا انہیں کے پاس رہا۔

فلسطینی اپنی سرزمین چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔ وہ اپنے وطن میں ہی آباد رہے۔ اسلام قبول کرلینے کے بعد وہ پھر کسی اور

دین میں داخل نہ ہوئے۔ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ فلسطین میں اسلام کی حکمرانی کا عرصہ سب سے طویل بارہ صدیوں پر مشتمل رہا۔ فلسطین کی تاریخ میں صرف ۹۰ برس کی قلیل مدت ایسی ہے جس میں عیسائیوں کو صلیبی جنگوں میں سے ایک معرکے میں فتح پانے پر حکمرانی کا موقع ملا۔

جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے تو وہ فلسطین میں عارضی قیام کے بعد ایسے تارک خطہ ہوئے کہ اٹھارہ سو سال تک انہیں یہاں کا خیال ہی نہیں آیا۔ سنہ ۱۳۵ عیسویں تا بیسوی صدی کے طویل عرصے کے دوران میں فلسطین کی سرزمین یہودیوں کے وجود سے خالی رہی، سیاسی لحاظ سے بھی، ثقافتی لحاظ سے بھی، اور عمرانی لحاظ سے بھی۔ یہی نہیں یہودیوں کی مذہبی تعلیمات میں فلسطین کی طرف ان کا لوٹنا حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

یہودیوں کے معروف رائٹر آرتھر کوسٹلر نے جو معلومات جمع کی ہیں ان کی رو سے ۸۰ فیصد یہودی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ تاریخی لحاظ سے یہودیوں کا کوئی رشتہ ارض فلسطین سے نہیں بنتا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی بھی فلسطین سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہاں ہم معزز قارئین کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ یہودی مذہب کے ماننے والوں کی موجودہ اکثریت نسلی طور پر اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی نسل سے نہیں ہے بلکہ انہیں 'یہود خزر' کہا جاتا ہے۔ یہ نسل بنی اسرائیل سے نہیں۔ 'یہود خزر' ترکی نسل کے تاتاری قبائل سے ہیں جن کا وطن قوقار (کوکیشیا) کا شمالی علاقہ رہا ہے۔ اس نسل کے لوگ آٹھویں صدی عیسوی میں یہودی ہوگئے تھے۔ اگر یہودی مذہب کے پیروکاروں کو کہیں لوٹنے اور اپنا وطن بنانے کا حق ہے تو وہ ارض فلسطین نہیں بلکہ روس کا جنوبی علاقہ ہے۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ ان کا موسیٰ علیہ السلام کے وقت فلسطین سے تعلق ہوگیا تھا حقیقی لحاظ سے غیر ثابت شدہ دعویٰ ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ بنو اسرائیل کی اکثریت نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین کی طرف (غزوے کے لئے) چلنے سے انکار کردیا تھا۔ بابل (عراق) میں جب انہیں نقل مکانی کرنا پڑی تو اس کے بعد جب فارس کی فلسطین پر عملداری قائم ہوئی تو فارس کے حکمران 'خورس' نے انہیں فلسطین جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن بیشتر یہود نے عراق میں رہنے کو ہی ترجیح دی اور واپس لوٹنے سے انکار کردیا۔ علاوہ ازیں، دنیا کی طویل تاریخ سے لے کر اب تک کبھی بھی ارض فلسطین میں یہودیوں کی آبادی کا تناسب باقی دنیا میں پھیلے ہوئے یہودیوں کی کل آبادی کا ۱۰ فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔

ooo

بقیہ..... جھوٹ معاشرہ کو تباہ کردیتا ہے

حرف آخر:

جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کے درمیان لڑائی، جھگڑا کا سبب بنتی ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عداوت و دشمنی کو پروان چڑھاتی ہے۔ اس سے آپس میں ناچاقی بڑھتی ہے۔ اگر ہم ایک صالح معاشرہ کا فرد بننا چاہتے ہیں، تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم لوگوں کو جھوٹ کے مفاسد سے آگاہ اور باخبر کریں۔ جھوٹے لوگوں کی خبر پر اعتماد نہ کریں۔ کسی بھی بات کی تحقیق کے بغیر، اس پر ردِّعمل نہ کریں۔ اگر ایک آدمی کوئی بات آپ سے نقل کرتا ہے تو اس سے اس بات کا ثبوت کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ ثبوت پیش نہیں کرپاتا ہے، تو اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دیں اور اسے دھتکاریں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت ناپسند نہیں تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کسی صحابی کے حوالے سے یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دروغ گو ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت بیٹھ جاتی اور اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل صاف نہیں ہوتا، جب تک یہ معلوم نہ ہوجاتا کہ اس نے اللہ سے اپنے گناہ کی نئے سرے سے توبہ نہیں کرلی ہے۔ (مسند احمد۔ احیاء العلوم: ۳/۲۰۹)

ooo

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

اسوۂ حسنہ کی جامعیت

دنیا میں جتنے بھی رسولؑ اور نبی تشریف لائے ہیں ہم ان سب کو سچا مانتے اور ان پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارے فریضہ اور عقیدہ میں داخل ہے: (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ) (البقرۃ:285) مگر اس ایمانی اشتراک کے باوجود بھی ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی نمایاں خصوصیات اور کچھ جداگانہ کمالات و فضائل ہیں جن کو تسلیم کئے بغیر ہرگز کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء و رسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں تو ان سب کو دعوت کسی خاص خاندان اور کسی خاص قوم سے مخصوص رہی، حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے تو اپنی دعوت کو صرف اپنی ہی قوم تک محدود رکھا۔ حضرت ہود علیہ السلام جلوہ افروز ہوئے تو فقط قوم عاد کو خطاب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تو محض قوم ثمود کی فکر لے کر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو نجات دلانے کے لیے بھیجے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کی تلاش اور سراغ میں نکلے تھے۔ جب غیروں نے اُن کے روحانی کمالات سے استفادہ کرنے کی اپیل کی تو انہوں نے جواب میں کہا: لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ (انجیل متی۔ باب 51۔ آیت:62)

یہی وجہ تھی کہ ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی قوم سے باہر نظر نہیں ڈالی، لیکن جب رحمتِ خداوندی کی وہ عالمگیر گھٹا جو فاران کی چوٹیوں سے اٹھی تھی، جس سے انسانیت و شرافت، دیانت و امانت، عدل و انصاف اور تقویٰ و ورع کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں پھر سے سرسبز و شاداب ہو کر لہلہا اٹھیں۔ وہ قوم و جماعت، ملک و زمین، مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور برّ و بحر کی تمام قیدوں اور پابندیوں سے بالکل آزاد تھی۔ وہ بلا امتیاز وطن و ملت، بلا تفریق نسل و خاندان، بدوں تمیز رنگ و خون، بغیر لحاظِ سیاہ و سپید اور بے اعتبار حسب و نسب تا قیامت پوری نسلِ انسانی کے لئے رحمت و ہدایت بن کر نمودار ہوئی اور ربّ ذوالاحسان نے خود آپ ہی کی زبان فیض رساں سے یہ اعلان کر دیا کہ: (قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا) (الاعراف:158)

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

وہ ابرِ کرم اٹھا تو فاران کی چوٹیوں سے، مگر سب روئے زمین پر پھول برساتا اور مژدۂ جانفزا سناتا ہوا چھا گیا اور پوری دھرتی کے چپہ چپہ پر خوب کھلکھلا کر برسا، دشت و صحرا نے اس سے آسودگی حاصل کی۔ بحر و بر اس سے سیراب ہوئے، چمنستانوں نے اس سے رونق پائی اور ویرانوں کو اس کی فیض پاشی نے لعل و گوہر سے معمور کر دیا۔ اہل عرب اس سے مستفید ہوئے۔ باشندگانِ عجم نے اس سے اکتسابِ فیض کیا۔ یورپ نے اس کی خوشہ چینی کی اور ایشیا اس کا گرویدہ بنا۔ دنیا کے تمام گمراہوں کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کی اس نے راہ نمائی کی۔ اور آوارگانِ دشتِ غوایت کی رہبری کی اور نسلِ انسانی کے سب مایوس مریضوں اور ہر قسم کے ناامید بیماروں کو زود اثر تریاق اور نسخۂ شفا بخشا۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا!
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت صرف نسلِ انسانی ہی کے لیے نہیں، بلکہ جنات بھی اس امر کے مکلف اور پابند

ہیں کہ آپ کی نبوت ورسالت کا اقرار کر کے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نجاتِ اُخروی تلاش کریں۔ ثقلین (انس وجن) کا مکلف ہونا، نیز جنات کا قرآن کریم کو غور وفکر سے سن کر اس پر ایمان لانا اور پھر جا کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا قرآن مجید میں مصرح ہے اور "عالمین" کے مفہوم میں جنات بھی شامل ہیں اور قرآنِ کریم میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا گیا: (لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا) (الفرقان:1)

اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "ارسلت الی الاحمر والاسود، قال مجاهد: الانس والجن۔" (مستدرك:2/424، قال الحاكم والذهبي على شرطهما)

ترجمہ: "مجھے سرخ اور سیاہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ سرخ سے انسان اور سیاہ سے جن مراد ہیں۔"

جو مکارم اخلاق آپ کو خالقِ کونین کی طرف سے مرحمت ہوئے تھے اور جن کی تکمیل کے لیے آپ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکلف مخلوق کی فطرت کے جملہ مقتضیات کے عین مطابق تھے اور جن کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ اُن کے ذریعہ روحانی مریضوں کو ان کے بستروں سے اٹھا دیا جائے بلکہ یہ بھی کہا اٹھنے والوں کو چلایا جائے اور چلنے والوں کو بسرعت دوڑایا جائے، اور دوڑنے والوں کو روحانی کمال اور اخلاقی معراج کی غایۃ قصویٰ تک اور سعادتِ دنیوی ہی نہیں بلکہ سعادت دارین کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جائے اور ان کا خوانِ نعمت فقط مریضوں کے لئے قوت بخش اور صحت افزا نہ ہو بلکہ وہ تمام مکلف مخلوق کی اصل فطری اور روحانی لذیذ غذا بھی ہو اور آپ کے مکارم اخلاق اُسوۂ حسنہ نے وہ تمام ممکن اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ خلق عظیم کی بلندی اور دُشوار گزار گھاٹی پر چڑھنا آسان اور سہل ہو گیا ہے۔ آپ کی بعثت کے اغراض و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا، جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "انما بعثت لأتمم صالح الاخلاق، وفي رواية، مكارم الاخلاق۔" (قال الشيخ حديث صحيح، السراج المنير:2/74)

ترجمہ: "مجھے تو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں نیک خصلتوں اور مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔"

اور یہ قابلِ تردید حقیقت ہے کہ جس طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام خاص خاص جماعتوں اور مخصوص قوموں کے لیے مصلح اور پیغمبر تھے، اسی طرح ان کی روحانیت اور اخلاقی آئینے بھی خصوصی صفات اور اصناف کے مظہر تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام مجرم اور نافرمان قوم کی نجات کے لیے باوجود قوم کی ایذا رسانی کے سعی بلیغ کی زندہ یادگار تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اخلاص وقربانی کی مجسم مثال تھے کہ انہوں نے اپنے اکلوتے اور عزیز ترین لختِ جگر کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے اپنی طرف سے ذبح کر ہی ڈالا اور اس کے حکم کی تعمیل میں کسی قوم کی کوتاہی اور کمزوری نہ دکھائی، جس کی ایک ادنیٰ اور معمولی سی برائے نام نقل آج بھی ہر صاحبِ استطاعت مسلمان اتارتا اور "سنة ابيكم ابراهيم" کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ۔

تیری ذبح ذبحِ عظیم کی ہو مثیل کیونکر خلوص میں
نہ خلیل کا سا ہے دل تیرا نہ ذبیح کا سا گلا تیرا

حضرت ایوب علیہ السلام صبر و رضا کے پیکر تھے، مصائب وآلام کے بے پناہ سیلاب میں بہ گئے، مگر وہ مضبوط پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ثابت رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی جرأت حق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی کہ فرعون جیسے جابر اور مطلق العنان بادشاہ کے دربار میں ساون کے بادلوں کی طرح گرج اور صاعقۂ آسمانی کی طرح کڑک کر تہلکہ ڈال دیتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صبر آزما حیات یادگارِ دہر تھی کہ اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھ سے پیارے یوسف کے سلسلہ میں اذیت اور دکھ اٹھا کر "فصبر جميل" فرما کر خوش ہو گئے اور اندر ہی اندر آنسوؤں کے طوفان موجیں

مارتے ہوئے ساحل امید سے ٹکراتے رہے اور ناامیدی کو قریب نہیں آنے دیا کہ

"نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں"

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت مآب زندگی پاک دامن نوجوانوں کے لیے باعثِ صد افتخار ہے کہ انہوں نے امرأۃ عزیز کی تمام مکاریوں اور حیلہ جوئیوں کی استخواں شکن زنجیروں کی ایک ایک کڑی کو "معاذ اللہ" فرماتے ہوئے پاش پاش کردیا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شاہانہ زندگی ان سب سے نرالی تھی کہ قبائے سلطنت اور عبائے خلافت اوڑھ کر مخلوق خدا کے سامنے ظہور پذیر ہوئے اور اس طریقہ سے عدل و انصاف کے مطابق ان کی خدمت کا عمدہ فریضہ انجام دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام توکل و قناعت، زہد و خود فراموشی کی ایک پوری کائنات تھے کہ زندگی بھر سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی بھی نہیں بنائی اور فرمایا: "اے لوگو! یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا کھاؤ گے؟ فضا کی چڑیوں کے لیے کاشتکاری کون کرتا ہے؟ اور ان کے منھ میں خوراک کون ڈالتا ہے؟ اے لوگو! تمہیں اس کی کیا فکر ہے اور تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو اتنی دیدہ زیب پوشاک اور خوبصورت لباس کون پہناتا ہے؟"

یہ تمام بزرگ اور مقدس ہستیاں اپنے اپنے وقت پر تشریف لائیں اور بغیر حضرت مسیح علیہ السلام سب دنیا سے رخصت ہوگئیں، لیکن جب قصر نبوت اور ایوانِ رسالت کی آخری اینٹ کا ظہور ہوا، جس کے انتظار میں دہر کہن سال نے ہزاروں برس صرف کردیے تھے، آسمان کے ستارے اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ ان کے استقبال کے لیے لیل و نہار بے شمار کروٹیں بدلتے رہے۔ ان کی آمد سے محض کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے ہی نہیں، بلکہ رسم عرب، شان عجم، شوکت روم، فلسفہ یونان اور اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس، گر کر آنِ واحد میں پیوند زمین ہوگئے، تو پورے کرۂ ارض کے لیے ایک عالمگیر سعادت اور ایک ہمہ گیر رحمت لے کر آئی۔ آپ کا وجود مقدس روحانیت کے تمام اصناف کی ایک خوش نما کائنات، اخلاق حسنہ کی ایک دل آویز جاذبیت اور رنگ برنگ گل ہائے اخلاق کا ایک پورا چمنستان تھا۔ امت مرحومہ کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دل سوزی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت، حضرت ہارون علیہ السلام کا تحمل، حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش، حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تقرب الٰہی کے لیے گریہ وزاری اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توکل۔ یہ تمام منتشر اوصاف آپ کے وجود مسعود میں سمٹ کر جمع اور یکجا ہو چکے تھے۔ سچ ہے کہ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض کہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمودار اور اسوہ تھی۔ مگر سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ وارفع زندگی تمام اوصاف واصناف میں ایک جامع زندگی ہے۔

آپ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوۂ حسنہ ایک کامل ضابطۂ حیات اور دستور ہے۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی اور نظام و قانون کی ضرورت ہی محسوس ہوسکتی ہے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

اگر آپ بادشاہ اور سربراہ مملکت ہیں تو شاہِ عرب اور فرمانبروائے عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے۔ اگر آپ فقیر محتاج ہیں تو کملی والے کی زندگی آپ کے لیے اسوہ ہے، جنہوں نے کبھی دقل (ردّی قسم کی کھجوریں) بھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں اور جن کے چولہے میں بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔

اگر آپ سپہ سالار اور فاتح ملک ہیں تو

بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین سبق ہے، جس نے عفو و کرم کے دریا بہا دیئے تھے اور "لاتثریب علیکم الیوم" کا خوش آئند اعلان فرما کر تمام مجرموں کو آنِ واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔

اگر آپ قیدی ہیں تو شعب ابی طالب کے زندان کی حیات آپ کے لیے درس عبرت ہے۔ اور اگر آپ تارکِ دنیا ہیں تو غار حرا کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابل تقلید عمل ہے۔

اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام "اجیاد" میں آپ کو چند قراریط (ٹکوں) پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ معمار ہیں تو مسجد نبوی کے معمار دیکھ کر ان کی اقتداء کر کے خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقع پر اس بزرگ ہستی کو پھاوڑا لے کر مزدوروں کی صف میں دیکھ کر اور مسجد نبوی کے لیے بھاری بھرکم وزنی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہوئے دیکھ کر قلبی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مجرد ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفت مآب زندگی کی پیروی کر کے سرور قلب حاصل کر سکتے ہیں جس کو کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی داغ دار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی جرأت کی ہے۔

اگر آپ عیال دار ہیں تو آپ متعدد ازواج مطہرات کے شوہر کو "انا خیرکم لاھلی" فرماتے ہوئے سن کر جذبۂ اتباع پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ ماں باپ کے اکیلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون و تناصر سے محروم ہیں تو حضرت عبداللہ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اشک شوئی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، قاسم، عبداللہ اور ابراہیم (وغیرہ) رضی اللہ عنہم کے شفیق و مہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی کاروبار میں آپ کو دیانت دارانہ سعی کرتے ہوئے معائنہ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ عابد شب خیز ہیں تو اسوہ حسنہ کے مالک کے متورّم قدموں کو دیکھ کر اور "افلا اکون عبداً شکورا" فرماتے ہوئے آپ کی اطاعت کو ذریعہ تقرب خداوندی اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مسافر ہیں تو خیبر و تبوک وغیرہ کے مسافر کے حالات پڑھ کر طمانیت قلب کا وافر سامان مہیا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ امام اور قاضی ہیں تو مسجد نبوی کے بلند مرتبہ امام اور فصلِ خصومیات کے بے باک اور منصف مدنی جج کو بلا امتیاز قریب و بعید اور بغیر تفریق قوی و ضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اور اگر آپ قوم کے خطیب ہیں تو خطیب اعظم کو منبر پر جلوہ افروز ہو کر بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اور غافل قوم کو "انی انا انذیر العریان" فرما کر بیدار کرتے ہوئے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

الغرض! زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم اور قابلِ اقتدا زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اسوہ اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

پس اُس وجودِ قدسی پر لاکھوں بلکہ کروڑوں درود و سلام جس کے وجود مسعود میں ہماری زندگی کے تمام پہلو سمٹ کر آ جاتے ہیں اور ہماری روح کا ایک ایک گوشہ عقیدت و اخلاص کے جوش سے معمور ہو جاتا ہے۔

جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے لعل و گہر کا جو پائیدار خزانہ تمام ارض و سما اور بحر و بر چھان ڈالنے کے بعد بھی کسی قیمت پر جمع نہیں ہو سکتا تھا وہ انمول خزانہ امت مرحومہ کو اپنے پیارے نبی کے اسوہ حسنہ، اپنے برگزیدہ رسول کی سنت صحیحہ اور اپنے مقبول رسول کے معدنِ حدیث کی ایک ہی کان اور معدن سے فراہم ہو گیا ہے اور قرآن کریم کے بعد ہماری تمام بیماریوں کا مداوا حدیث پاک میں اعلیٰ وجہ الاتم موجود ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ بر جاں مسلّم داشتن

○○○

ڈاکٹر جاسم محمد مطوع

گفتگو دنیا سے

میں دنیا سے بے زار ہو چکا ہوں، اس سے دور کہیں بھی بھاگ جانا چاہتا ہوں، لیکن کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ملازمت بدلوں، گھر بدلوں، محلہ اور شہر بدلوں، یا ملک چھوڑ دوں، آخر کیسے جیتے جی اس دنیا سے پیچھا چھڑاؤں، کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ دنیا میرے ساتھ سایے کی طرح لگی رہتی ہے، اور میرے ہر فیصلے پر حاوی رہتی ہے۔ میرے مسائل اور پریشانیوں کی جڑ یہی دنیا نظر آتی ہے۔

دل میں اکثر خیال آتا ہے کہ کسی طرح یہ دنیا میرے سامنے اس طرح آجاتی ہے کہ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا اور اس کا گلا گھونٹ کر اس سے چھٹکارا پالیتا۔ آخر ایک دن تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے یوں لگا جیسے دنیا میرے سامنے کھڑی ہے۔

دنیا: تمہیں مجھ سے کس بات کا گلہ ہے، بولو، میں تمہارے سامنے ہوں؟

میں: مجھے غم اس بات کا ہے کہ تم سے چھٹکارا پانے کا مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

دنیا: دیکھو، مجھ سے تعلق رکھنا تمہاری ایک فطری ضرورت ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے بغیر جی سکتا ہے۔ میں اللہ کی مخلوق ہوں، اور میرے اندر دل موہ لینے کی صفت رکھی گئی ہے۔

میں: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم سے تعلق رکھنا ضروری ہو؟

دنیا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ اس زندگی میں کوئی مجھ سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، میں زندگی کی ضرورت ہوں، یہ فطرت کا قانون ہے۔ دراصل مجھ سے تعلق ہونا غلطی نہیں ہے، غلطی یہ ہے کہ مجھ کو آخرت پر ترجیح دے دی جائے۔ یہی وہ غلطی ہے جس کا ارتکاب اکثر لوگ کرتے ہیں۔

میں: تمہاری حقیقت کیسے معلوم ہوسکتی ہے؟

دنیا: میری حقیقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اچھی طرح سمجھائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا حلاوت سے بھرپور اور سرسبز و شاداب ہے۔'' البتہ اس کا دوسرا پہلو یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

میں: لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ بہت سے اہل ایمان بھی اس دنیا میں بڑی آسائشوں اور راحتوں میں رہتے ہیں۔

دنیا: قید خانے سے مراد کوئی آہنی قفس یا تعذیب خانہ نہیں ہے کہ جہاں وحشیانہ سزائیں دی جاتی ہیں۔ قید خانے سے مراد یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو اللہ کے احکام کا پابند بنا کر رکھتا ہے اور نفس کو آزاد نہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ویسے دیکھو تو دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی طرح پابندیوں میں گھرا ہوا ہے۔ شیخ محمد بن سماک رحمۃ اللہ علیہ کی بات پر غور کرو، انہوں نے فرمایا: ''اے آدم کے بیٹے! تم ہمیشہ سے قید میں ہو۔ پہلے پیٹھ کی قید میں، پھر پیٹ کی قید میں، پھر اس کپڑے کی قید میں جس سے بچوں کو کس کر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ پھر مکتب کی قید میں، پھر گھریلو ذمہ داریوں کی قید میں، پس کوشش کرلو کہ موت کے بعد آرام مل جائے، ورنہ پھر ایک انتہائی تکلیف دہ قید تمہاری منتظر ہے۔''

میں: یہ بہت سمجھ میں آنے والی بات ہے، اچھا تو یہ بتاؤ کہ تمہارا نام دنیا کیوں پڑا ہے؟

دنیا: اگر میرے نام کا مطلب لوگ سمجھ لیں، تو میری چمک دمک کے دام میں نہ آئیں۔ میرے نام کے دو مطلب ہیں:

ایک مطلب یہ ہے کہ میں عارضی ہوں، میری عمر بہت کم ہے، بہت جلدی فنا ہوجانے والی ہوں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں ایک معمولی اور بے وقعت چیز ہوں، آخرت کے مقابلے میں میری کوئی قیمت نہیں ہے۔

میں: میں تمہارے دام سے بچ کر زندگی گزاروں، اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا؟

دنیا: یہ بہت خطرناک سوال ہے۔ تم مجھ سے میرا راز اُگلوانا چاہتے ہو۔ میں لوگوں کو مختلف طرح سے اپنے جال میں پھنساتی ہوں۔ کسی کو مال و دولت کے جال میں، تو

کسی کو جاہ ومنصب کے جال میں، اور یہ سب میری آرائش وزیبائش کا کمال ہے۔ پھر یہ بات تو تم بھی جانتے ہو کہ آرائش وزیبائش کتنی ہی دلکش ہو، وہ عارضی ہی ہوتی ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی دلہن کی آرائش یا کسی شادی کے گھر کی سجاوٹ کو دیکھا ہے؟ کیا وہ کبھی ہمیشہ کے لئے باقی رہی ہے؟

میں: اے دنیا! تم میرے سوال سے فرار مت اختیار کرو، میرے سوال کا جواب دو۔

دنیا: جلدی مت مچاؤ، میں ضرور جواب دوں گی۔ دیکھو تمہیں یہاں میرے ساتھ ہی جینا ہے، لیکن میرے فتنوں سے بچتے ہوئے جینا ہے۔ یہی تمہاری نجات کا راستہ ہے۔ اس کے لیے سب سے ضروری صفت ہے، ہوشیاری اور بیداری۔ میں لذتوں اور شہوتوں کے جلو میں رہتی ہوں، جو مجھے آخرت کی گزرگاہ سمجھ کر آخرت کی طرف چلتا رہتا ہے، وہ بچ نکلتا ہے اور منزل کو پالیتا ہے اور جو مجھے مستقل ٹھکانہ سمجھتا ہے، وہ میرے جال میں پھنس جاتا ہے اور نامراد ہوجاتا ہے، میں منزل نہیں گزرگاہ ہوں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے خبردار کیا تھا:

دیکھو ان چیزوں سے پرہیز کرو جو تمہیں دنیا میں مصروف کردیں، کیونکہ دنیا کی مصروفیتیں بہت زیادہ ہیں۔ انسان مصروفیت کا ایک دروازہ اپنے لئے کھولتا ہے، اور اس دروازے سے دس دروازے اور کھل جاتے ہیں۔

میں: تب تو میں تم سے بالکل قطع تعلق کرلوں گا، جبھی تو مجھے تم سے نجات مل سکے گی۔

دنیا: یہ ناممکن ہے اور نہ مطلوب ہے، البتہ ہوشیار ضرور رہو۔ جب بھی دنیا کی مصروفیت کا کوئی دروازہ تمہارے لئے کھلے، تم آگے بڑھ کر آخرت کی مصروفیت کا ایک دروازہ بھی اپنے لیے کھول لو، تاکہ آخرت کے سفر پر بھی گامزن رہو اور دنیا میں جو تمہارے حصے کا ہے وہ بھی تمہیں مل جائے۔ اس طرح اعتدال اور توازن کے ساتھ زندگی گزارو۔ یہی خالق کی ہدایت اور منشاء ہے۔

میں: لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔

دنیا: ڈرو نہیں، بس اس کا خیال ہمیشہ رکھو کہ دنیا کی زندگی کس طرح ہوشیاری کے ساتھ گزارنی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔

میں: وہ کیا بات ہے؟

دنیا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کو میں ہرگز اس طرح نہیں پاؤں کہ گویا رات میں مردہ لاش ہے، اور دن میں پھدکنے والا کیڑا ہے۔“

یہ حال بہت سے لوگوں کا ہے، راتیں غفلت بھری نیند کی نذر ہوجاتی ہیں، اور دن غفلت بھری بھاگ دوڑ میں گزرتے ہیں۔ آخرت کی تیار کا خیال نہ دن میں آتا ہے اور نہ رات میں۔ کسی نے بہت صحیح کہا ہے: ”آدم کا بیٹا مسکین ہے، وہ جتنا فقر وفاقے سے ڈرتا ہے، اگر وہ اتنا ہی دوزخ کی آگ سے بھی ڈر جائے تو جنت میں داخل ہوجائے۔“

میں: تمہاری باتیں دل پر اثر کررہی ہیں، مجھے کچھ اور نصیحت کرو۔

دنیا: اللہ کے اس فرمان کو ہمیشہ یاد رکھو:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ. وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا. (الکہف: ۱۸-۴۵)

اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اُس کے ساتھ زمین کو روئیدگی مل گئی۔ پھر وہ خود چورا چورا ہوگئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اور دیکھو اگر پہلے تم مجھ سے ایک بار ہوشیار رہتے تھے تو آج کے بعد ہزار بار ہوشیار رہو۔

میں: کیا اتنی صاف صاف باتیں ہونے کے بعد بھی تم مجھے اپنے دام میں پھنساؤ گی؟ کیا مجھے تمہارے بارے میں مطمئن نہیں ہوجانا چاہئے؟

دنیا: دیکھو ایک کہاوت ہے کہ لوگوں نے کوّے سے پوچھا کہ تم آخر صابن کیوں اُچک لیتے ہو؟ کوّے نے جواب دیا: ”کیونکہ ستانا میری فطرت ہے۔“ میں بھی تم سے کہتی ہوں کہ دیکھو، پھنسانا میری فطرت ہے۔ اس لیے دنیا کے عاشق کبھی مت بننا، دنیا تمہاری وفادار نہیں ہوسکتی ہے۔

پھر دنیا اچانک غائب ہوگئی۔ میں پکارتا رہ گیا، اس کے بعد میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے دنیا کی حقیقت سمجھنے کا موقع دیا۔

واقعی دنیا کی زندگی محض گھڑی بھر کی ہے۔ کیوں نہ اسے سنبھال کر نیکی کی راہ میں گزار دیا جائے۔

○○○

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : میرے شوہر آج سے ۲۵ سال پہلے مجھے چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اس وقت سے بیٹی کے پاس رہ رہی ہوں، میرے شوہر کا آبائی مکان اور زمین بھی ہے جس پر میرے دیور قابض ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس میں تمہارا یا تمہاری بیٹی کا کچھ نہیں ہے، میرا بھائی آئے گا تو اس کو دیں گے تم دونوں کو کچھ نہیں دیں گے تو کیا شرعاً میرا اور میری بیٹی کا شوہر کی جائداد میں کوئی حق نہیں ہے؟

ج : آپ کا شوہر اگر اپنے والد کی وفات کے بعد مفقود ہوا تھا تو وہ اپنے حصہ کا مالک ہوگیا تھا۔ اس کو اس کا کوئی بھائی یعنی آپ کا دیور نہیں لے سکتا۔ بلکہ اس کے حصہ کو محفوظ رکھا جائے گا، پھر جب آپ کے شوہر کی موت کا یقینی پتہ چل جائے، یا قاضی شریعت کو اس کی موت کا ظن غالب ہوجائے یا جب اس کے ہم عمر مرجائیں یعنی وہ نوے سال کا ہورہا ہو تب اس کی جائداد کو اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور تقسیم کرتے وقت اس کے ورثاء ہیں اس کی بیوی یعنی آپ ہوں، اور ایک بیٹی اور بھائی ہو اور کوئی نہ ہو تو اس کی کل جائداد کے آٹھ حصے کئے جائیں گے، اور اس میں سے ایک حصہ آپ کو چار حصے بیٹی کو اور تین حصے بھائی کو دیئے جائیں گے۔ (سراجی-۱۱۱/۱۱۲، رحیمیہ-۶/۴۷۲،۴۷۳)

س : زید چار بھائی تھے اس کے بڑے بھائی والد صاحب کی زندگی میں لاپتہ ہوگئے تھے، ان مفقود بھائی کی ایک بیٹی تھی جس کی شادی ہوچکی ہے، اور بیوی کو جانے سے پہلے ہی انہوں نے طلاق دے دی تھی، کیا ان بھائی کا والد کی جائداد میں حصہ لگے گا؟ اور کیا ان کی بیٹی کا اس جائداد میں کوئی حق ہوگا؟ شرعی مسئلہ بیان فرمائیں؟

ج : بڑا بھائی چونکہ اپنے والد کی زندگی ہی میں مفقود ہوگیا تھا۔ اس لئے اپنے والد سے ملنے والے حصہ کا مالک نہیں ہوا تھا۔ والد صاحب کی موت کے بعد اس کے حصہ کو بطور امانت محفوظ رکھا جائے گا۔ اس کو اس وقت تک زندہ مانا جائے گا جب تک اس کے ہم عمر زندہ رہیں، اور نوے سال کی عمر ایسی مانی گئی ہے جس میں ہم عمروں کا انتقال ہوجاتا ہے، جب اس کے ہم عمر مرجائیں تب اس کو مردہ مانا جائے گا۔ الا یہ کہ معاملہ قاضی کے پاس گیا ہو، اور قاضی کو شہادت شرعیہ یا دوسرے قرائن سے اس کی موت کا یقین ہوجائے تو وہ نوے سال سے پہلے بھی اس کو مردہ قرار دے رکھتا ہے۔ بہرحال اگر اس مدت کے دوران وہ آجائے تو وہ مال اس کے حوالہ کردیا جائے گا اور اگر واپس نہ آئے تو جب مندرجہ بالا اصول کے مطابق اس کی موت کا حکم لگایا جائے اس وقت وہ مال جو بطور امانت محفوظ رکھا تھا اس کو والد صاحب کے ورثاء یعنی مفقود کے بھائی (زید اور بقیہ دو) وغیرہ میں تقسیم کردیا جائے گا۔ مفقود کی بیٹی کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ (سراجی-۱۱۱/۱۱۲، رحیمیہ-۶/۴۷۲)

س : بازار کی کچھ پیک چیزیں جیسے امول آئس کریم، امول دودھ، پنیر کیک بسکٹ وغیرہ کے بارے میں کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اگر ان میں وہ کوڈ موجود ہو جس کے بارے میں انٹرنیٹ میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سور کی چربی ملی ہوتی ہے مثال کے طور پر E 710- E704 وغیرہ تو وہ حرام ہوں گی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، تو شرعاً دونوں میں سے کون سی رائے صحیح ہے؟

ج : شریعت کا اصول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اور اصل فی الاشیاء الاباحۃ (قواعد الفقہ-۵۹) لہٰذا جب تک یقینی طور سے وہ باتیں محقق نہ ہوجائیں اس وقت تک ان اشیاء کو حرام نہیں کہا جاسکتا، ایک یہ کہ ان اشیاء میں واقعۃً حرام اشیاء کی آمیزش کی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی ماہیت میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور یقینی ذرائع سے مذکورہ بالا اشیاء میں ان باتوں کا محقق نہیں ہوسکا ہے لہٰذا جب یقینی زاویہ سے ان دو باتوں کا محقق نہیں ہوتا اس وقت تک ان اشیاء کو شرعاً حلال قرار دیا جائے گا اور ان کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کوئی احتیاطاً ان کو استعمال نہ کرے تو الگ بات ہے، خاص طور سے اس لئے بھی کہ ان اشیاء کے استعمال کا ابتلاء عام ہے، اس لئے محض اخباری بیانات یا غیر یقینی رپورٹروں سے ان کو حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ (بدائع-۱/۲۴۳، فتاویٰ محمودیہ ۲۷/۸۹)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

حجاب کے حسن نے مجھے مسلمان بنادیا

بچپن میں میرا نام روزی تھا، قدرت نے مجھے غیر معمولی حسن و جمال کی دولت سے نواز کر دنیا میں بھیجا تھا۔ سب ہی لوگ میری خوبصورتی سے متاثر تھے۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے سب کو خوشی محسوس ہوتی تھی۔ بعض لوگ مجھ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ مجھ جیسی حسن کا پیکر بچی انہوں نے کہیں نہیں دیکھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ میں بھی اپنے حسین وجمیل ہونے کا احساس پیدا ہونے لگا۔ قدرتی طور پر مجھ میں ادائیں پیدا ہونے لگیں۔ ہر جگہ میرے حسن کی وجہ سے میری پذیرائی کی جانے لگی۔ جب اسکول میں مجھے داخل کیا گیا تو وہاں مجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسری لڑکی نہیں تھی۔ جب میں دسویں درجے میں پہنچی تو ہر طرف میرے حسن کا چرچا تھا، جہاں تک کہ دور دور سے لڑکیاں مجھ سے ملاقات کے لیے آتی رہیں اور میری دوستی کا دائرہ بڑھنے لگا۔ میرے کچھ پرستار بھی پیدا ہوگئے۔ اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ میں عموماً نیم برہنہ رہتی تھی۔ میری ماں مجھے ایسا لباس زیب تن کراتی تھیں جس میں میرے جسم کی نمائش بہت اچھی طرح ہوتی تھی۔ میں کس قدر خوبصورت تھی، اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوتا جب میں کسی گزرگاہ پر جاتی، تو ہر شخص بھرپور انداز سے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا اور میں ایک عجیب طرح کی شادمانی اپنے اندر محسوس کرتی تھی۔ عالم شباب میں قدم رکھنے کے بعد میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ میں روزی سے شائستہ بن جاؤں گی۔ حالات کچھ اس طرح کے پیدا ہونے لگے کہ مجھے اپنی برہنگی ناگوار گزرنے لگی۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں آئندہ نیم برہنہ لباس نہیں پہنوں گی۔ مجھے ایسا لباس چاہیے جس سے میرے پورے جسم کی ستر پوشی ہوجائے۔

میری والدہ کو میرے خیالات کی تبدیلی پر بے حد حیرت تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرے خیالات لباس کے بارے میں کیوں بدلنے لگے ہیں۔ انہیں حقیقت حال کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔ میرے خیالات میں تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ میرے کلاس میں کچھ مسلمان لڑکیاں پڑھتی تھیں، جو کالے برقعہ پہن کر آتی تھیں۔ میں ان لڑکیوں کو بغور دیکھتی تھی۔ نہ جانے کیوں میری طبیعت میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ میں اگر برقعہ پہننے لگوں تو میرا حسن دوبالا ہوجائے گا۔ میں جب مسلمان لڑکیوں کو برقعہ اتارتے ہوئے دیکھتی تھی تو مجھے لگتا تھا کہ مسلمان لڑکیاں بے حد خوبصورت ہوتی ہیں۔ مجھے خیال پیدا ہونے لگا کہ برقعہ اوڑھنے سے حسن بڑھ جاتا ہے۔ بے لباس ہونے میں کوئی خوبصورتی نہیں ہے بلکہ خوبصورتی اس میں ہے کہ برقعہ پہنا جائے۔

اپنے تبدیل شدہ خیالات کا اظہار جب میں نے اپنی والدہ سے کیا تو ان کو نہ جانے کس طرح کا خطرہ محسوس ہوا کہ انہوں نے برقعہ اور حجاب کی برائی کرنی شروع کردی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری والدہ، جس طرح کا خطرہ محسوس کررہی ہیں، مستقبل میں مجھے اس طرح کے خطرہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ایک دن میں نے اپنی ہم جماعت شیریں سے کہا کہ وہ مجھے اپنا حجاب دے دے۔ میں حجاب پہن کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ حجاب میں میری

شخصیت کیسی نظر آتی ہے۔ شیریں نے مجھے بڑی خوشی سے اپنا حجاب دے دیا اور جب میں اس حجاب کو پہن کر آئینہ کے روبرو گئی تو میں اپنے وجود کو دیکھ کر رہ گئی۔ مجھے نظر آیا کہ میری شخصیت بدل گئی ہے۔ میری شخصیت نورانی ہوگئی ہے۔ برقعہ نے مجھے محفوظ کردیا ہے۔ اب مجھے نیم برہنہ لباس میں دیکھ کر بھوکی نگاہیں میرا تعاقب نہیں کرسکیں گی۔

میں نے شیریں پر اپنے جذبات کا اظہار کردیا۔ میرے خیالات سے اس کو بے حد مسرت ہوئی۔ میں نے شیریں سے پردہ کے بارے میں جب معلومات حاصل کیں تو حیران رہ گئی۔ پہلے میں خیال کرتی تھی کہ حجاب سے دم گھٹ جاتا ہے، شخصیت چھپ جاتی ہے لیکن جب میں نے حجاب پہنا تو اندازہ ہوا کہ اس کے زیب تن کرنے سے شخصیت میں نکھار آجاتا ہے۔ عزت وتوقیر حاصل ہوتی ہے اور خیالات پاکیزہ ہوجاتے ہیں۔ شیریں کے ساتھ میں نے کچھ دوسری مسلمان لڑکیوں سے بھی دوستی قائم کی۔ ان سب نے مجھے پردے اور حجاب کے فائدے بتائے۔ میں نے بہت سوچا کہ میں نیم برہنہ رہنے کے فوائد بتلاؤں لیکن نیم برہنہ رہنے کا کوئی ایک فائدہ بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا، جس کا ظہار میں مسلمان لڑکیوں کے سامنے کرسکوں۔ مجھے شدید طور پر یہ احساس ہونے لگا کہ حجاب پہنے سے میرا حسن محفوظ ہوجائے گا۔ میں اگر نیم برہنہ حالات میں رہی تو قدرت نے حسن کی جو دولت مجھے عطا کی ہے وہ زائل ہوجائے گی۔ مسلمان لڑکیوں نے مجھے یہ سمجھایا تھا کہ حجاب پہننے سے ان کا حسن محفوظ رہتا ہے۔ اس پر گرد وغبار جمنے نہیں پاتا، اگر خوبصورت چیز کو ڈھک کر رکھا جائے تو عرصہ تک محفوظ رہتی ہے۔ اس پر دھول مٹی نہیں جمتی لیکن اس کو اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو بہت جلد اس کی خوبصورتی زائل ہوجاتی ہے۔ یہی حال نسوانی حسن کا ہے، اگر اسے حجاب میں رکھا جائے تو اس کی حفاظت رہتی ہے۔ اگر حسن کو بے لباس کردیا جائے تو بہت جلد اس پر زوال آجاتا ہے۔ جس طرح باد سموم سے پھول مرجھا جاتا ہے اسی طرح بے حجاب رہنے سے حسن وجمال مرجھا جاتا ہے لیکن مجھے خوف یہ تھا کہ اپنی والدہ کے سامنے اگر حجاب پہن کر جاؤں تو نہ جانے انجام کیا ہوگا؟ کئی دن تک میں جذباتی تلاطم میں مبتلا رہی لیکن اپنی مسلمان ہم جماعت لڑکیوں کے مشورے سے میں نے طے کیا کہ میں حجاب پہن کر اپنی والدہ کے سامنے جاؤں گی۔ چنانچہ ایک دن میں حجاب پہن کر اپنی والدہ کے روبرو چلی گئی۔ میری توقع کے مطابق وہ شدید طور پر ناراض ہوگئیں، انہوں نے مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ حجاب پہننے کی وجہ سے میں عیسائی مذہب سے خارج ہوگئی ہوں اور حجاب نے مجھے مسلمان بنادیا ہے۔

اگلے دن جب میں اپنی مسلمان دوست لڑکیوں سے کلاس میں ملی تو میں نے ان کو گھر کی روداد سنائی۔ انہوں نے مجھے دلاسہ دیا، لیکن نہ جانے کہاں سے یہ خیال میرے دل ودماغ میں جاں گزیں ہوگیا تھا کہ مجھے اسلام قبول کرکے مسلمان بن جانا چاہیے۔ مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ مسلمان لڑکیوں میں جو کشش اور نیکی ہے، وہ عیسائی لڑکیوں میں نہیں ہے۔ عیسائی لڑکیوں کی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ نیم برہنہ رہ کر اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں اور آوارگی میں مبتلا ہوجاتی ہیں لیکن مسلمان لڑکیاں اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرتی ہیں اور حجاب ان کی نگہبانی کرتی ہے۔ اس دوران میری مسلمان دوست لڑکیوں نے مجھے اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرایا۔ مجھے تو ابھی تک یہی بتایا گیا تھا کہ مسلمان گندے ہوتے ہیں اور ان میں سے بدبو آتی رہتی ہے لیکن میں نے دیکھا کہ مسلمان لڑکیاں جس درجہ پاکی، صفائی ستھرائی کا خیال رکھتی ہیں، عیسائی لڑکیاں اس کا عشر عشیر بھی خیال نہیں رکھتیں۔ اس دوران میں نے اپنی مسلمان دوست لڑکیوں کی دی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا جن سے میری معلومات میں بیش بہا

اضافہ ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ عیسائی قوم کے پاس وہ دولت نہیں ہے جو مسلمان کے پاس ہے۔ حجاب کی اہمیت اور ضرورت پر میں نے خصوصیت کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ کیا اور میرے اندر یہ عقیدہ راسخ ہونے لگا کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ یہ راست بازی اور کردار کی پختگی سکھاتا ہے۔ میں نے حقائق جاننے کے لیے ضروری سمجھا کہ میں اپنی مسلم دوست لڑکیوں کے ساتھ ان کے کمروں میں جا کر بھی حالات کا مشاہدہ کروں، چنانچہ میں شیریں اور شبنم کے گھروں میں متعدد مرتبہ جاتی رہی اور میں نے ان کا طرز معاشرت بہت قریب سے دیکھا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمان، عیسائیوں سے بدرجہ بہتر ہیں۔ مسلمانوں میں کسی سے نفرت کرنے کی تعلیم نہیں دی جاتی جب کہ عیسائیوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان کے یہاں پہلی تعلیم یہی دی جاتی ہے کہ دیگر مذاہب کے ساتھ نفرت کی جائے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں جب کہ عیسائی پیغمبر اسلام کی تکذیب کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔ یہ دونوں مذاہب کے درمیان ایک بڑا فرق ہے۔

مسلمان دوست لڑکیوں کے ساتھ میری قربت اتنی بڑھ گئی تھی کہ میں خود کو مسلمان ہی سمجھنے لگی تھی اور مسلمان لڑکیوں کی رواداری یہ تھی کہ وہ مجھ کو خود سے جدا نہیں سمجھتی تھیں۔ شیریں کا بھائی احمد مجھ پر بہت مہربان تھا، اس نے اسلام کو سمجھنے میں میری بہت مدد کی۔ واقعات بہت طویل ہیں ان کو کہاں تک بیان کیا جائے، بس یہ سمجھ لیجیے کہ ایک دن میں نے اپنا دل مضبوط کر کے اپنی والدہ کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کر ہی دیا کہ میں اسلام مذہب قبول کرنے والی ہوں۔ میری والدہ نے مجھے تنبیہ کی کہ اگر میں نے اسلام مذہب قبول کر لیا تو وہ مجھ سے ترک تعلق کر لیں گی۔ میں نے اسلام کو گلے لگا لیا اور اپنی والدہ سے ترک تعلق کی دھمکی کو نظر انداز کر دیا۔ الحمدللہ آج میں مسلمان ہوں۔ شیریں کے بھائی احمد سے میرا عقد ہو چکا ہے۔ اللہ نے مجھے دو بیٹے عطا کر دیئے ہیں۔ میں حجاب کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی ہوں۔ آج جب میں اپنے ماضی کے بارے میں سوچتی ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ حجاب نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور حجاب ہی کے سبب میں مشرف بہ اسلام ہو سکی۔

OO

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मो0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के क़िस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुज़ूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

علماء پر تنقید کا برجستہ جواب

استاد محترم حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب رح (پیدائش 1944ء وفات 11 ستمبر 2004ء) اگرچہ وہ میرے ضابطے کے استاد نہیں تھے لیکن دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں ان کی مجلس اور ان کی صحبت میں رہ کر ان کی تحریر و تقریر اور مجلسی افادات سے بہت کچھ راقم کو سیکھنے کا موقع ملا ہے۔ بلاشک وشبہ موصوف اپنی استقامت و مستقل مزاجی، گوناگوں علمی و ملی خدمات، جود وسخا، اخوت و بھائی چارگی کے پیامی اور اتحاد ملت کے علمبردار ہونے کی وجہ سے اہل علم میں اور عوام و خواص میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتے تھے اور اپنی ثقاہت و نقاہت کے اعتبار سے بھی طبقہ علماء میں ایک خاص پہچان رکھتے تھے۔ مولانا قاسمی رح جدید نافع اور قدیم صالح کے حامی اور موئد ہی نہیں تھے بلکہ خود اس پر کھرے اترتے تھے مرحوم زبان و بیان اور قرطاس و قلم کے ایسے ہیرو بے باک سپاہی تھے اور تحریر و تقریر پر ایسی قدرت تھی کہ کم لوگوں میں بیک وقت یہ دونوں جوہر اس معیار و انداز میں جمع ہو پاتا ہے۔ مرحوم کا علمی ادبی دینی اور ملی و قومی خدمات کا نقش آئینہ تاریخ پر ہمیشہ ثبت رہے گا۔ کچھ ایسی ہستیاں بھی عالم فانی میں آتی ہیں فنا کے بعد بھی جن کو زمانہ یاد کرتا ہے۔ میں ہی نہیں بلکہ جنھوں نے مولانا قاسمی رح کو اور مولانا کے شب و روز کو دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہ اس کا اعتراف کریں گے کہ مولانا میں تعطل و جمود نہیں تھا، ان میں پرواز کی صفت تھی اور حرکت میں برکت کے قائل تھے۔ ان کا ذہن تعمیری تھا ہمہ وقت کچھ کر گزرنے کی فکر دامن کی رہتی تھی وہ کام کرنے کو کامیابی اور کچھ نہ کرنے کو بڑی خرابی سمجھتے تھے۔ مولانا کو ملک و بیرون ملک جو نیک نامی اور شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام و خواص میں جو ان کی پہچان بنی اس میں ان کی جوہر ذاتی اور زبان و قلم نے اہم کردار ادا کیا۔ قدرت نے انہیں زبان و قلم دونوں عطا کئے تھے۔ ایک کامیاب اور پختہ کار مقرر خطیب اور واعظ کے لئے طویل مشق و مزاولت وسیع مطالعہ اور خطابت کی گہری سوجھ بوجھ کے ساتھ سوز دروں کی ضرورت ہوتی ہے لاریب کہ مولانا میں یہ تمام اوصاف اور خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مولانا کی تقریر معنویت اور حکمت سے لبریز ہوتی۔ ان کی خطابت میں دل اور دماغ کو بیک وقت اپیل کرنے اور متوجہ کرنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔ مولانا کا ذہن اختراعی اور ایجادی تھا۔ فصاحت و بلاغت میں ڈوبے ہوئے الفاظ کے موتی اپنی تقریروں میں بکھیرتے تھے۔ اشارات و کنایات اور تلمیحات سے بھی کام لیتے اور طرز کہن کو سامنے رکھ کر افکار نو کے انبار لگا دیتے۔ مرعوبیت اور خاص طور پر جدید و ماڈرن تعلیم یافتہ اور انگلیچول جماعت و افراد کے سامنے احساس کمتری سے ناآشنا تھے لیکن خود آپ کی تحریر و تقریر اور تاثیر میں ڈوبی ہوئی زبان لوگوں کو مرعوب کر دیتی تھی۔ مسجد عامرہ عابڈس حیدرآباد میں جمعہ سے قبل آپ کا خطاب اس قدر موثر ہوتا تھا، انداز بیان اس قدر انوکھا ہوتا تھا اور مواد اور حالات حاضرہ کی ایسی عکاسی ہوتی تھی کہ اذان سے قبل ہی لوگوں کی بھیڑ اکھٹا ہونے لگتی تھی۔ آپ جس مجلس و محفل میں ہوتے اور جس سمینار و کانفرنس میں تشریف لے جاتے اس میں میر محفل اور رونق مجلس بن جاتے۔ لاکھ دیوار چمن راستہ روکے لیکن بوئے گل کی بھی کہیں خوئے سفر جاتی ہے میرے عزیز اور ہونہار

شاگرد مولانا زاہد ناصری سہیلی فاضل دیوبند (جو مولانا کے بھی محبوب اور عزیز شاگرد تھے) نے مولانا قاسمی مرحوم کا ایک واقعہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی کے حوالے سے اپنے مضمون میں لکھا ہے ہم اس کو قارئین کے حوالے کرتے ہیں اور آج کے پیغام کا اصل حاصل بھی یہی واقعہ ہے۔ چند سال قبل عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں مدارس کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں ملک کے بڑے بڑے علماء اور دانشوروں نے شرکت کی، مولانا محمد رضوان صاحب رح بھی شریک تھے، ان کا بیان ہو چکا تھا اور ایک پروفیسر صاحب تقریر کر رہے تھے، مدارس اسلامیہ کے نصاب پر تبصرہ کرتے ہوئے دوران تقریر انہوں نے علماء کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ وہ درویشانہ زندگی گزارتے ہیں، انہیں دنیا و ما فیہا کی کوئی خبر نہیں ہوتی، جدید تقاضوں سے بے خبر اور علوم عصریہ سے بالکل بے خبر اور کورے ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں علماء نئے پیش آمدہ مسائل اور جدید چیلنجز کا جواب کس طرح دے سکتے ہیں؟ یہ اور اس طرح کے تیکھے جملے سن کر مولانا علیہ الرحمہ کی علمی غیرت جوش میں آئی، انہوں نے ہوش سے کام لیتے ہوئے پانچ منٹ کا وقت لیا اور دوبارہ مائک پر تشریف لائے اور پروفیسر صاحب کی تنقید کا مختصر مگر جامع موثر اور مسکت جواب دیا۔ نیز انہیں مدارس عربیہ کے نصاب پر جو اشکالات تھے اور علماء کے بارے میں جو بدگمانی تھی انہیں دور کیا، آئندہ مثبت انداز فکر اختیار کرنے اور کھلے مہار تنقید نہ کرنے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی مولانا گیلانی رح علامہ شبلی نعمانی رح اور مولانا درباری وغیرہ کی کتب کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دی۔ مولانا کی اس تقریر سے سامعین بہت متاثر ہوئے۔ خود پروفیسر صاحب نے اپنی معلومات کی کمی کا اعتراف کیا اور مولانا کی برجستگی پر داد دی۔ اجلاس میں موجود علماء نے آپ سے اظہار تشکر کیا اور کہا کہ: آپنے ہم لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ (زبان خلق صفحہ 88-89) اس واقعہ سے میرا مدعا یہ بالکل نہیں ہے کہ مدارس کا نصاب تعلیم آج کے حالات سے ہم آہنگ ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ غرض یہ کہ جو لوگ مدارس اور وہاں کے اساتذہ کے بارے میں غلط بیانی کرتے ہیں اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں ان کو مسکت جواب دیا جائے اور آج کے حالات میں ان مدارس کا وجود قوم وملت کے لئے کس قدر ضروری ہے اپنوں اور غیروں کو اس سے واقف کرایا جائے۔ یقیناً مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب رح ماضی قریب کے ان باصلاحیت اور جنیس علماء کرام میں تھے جن کو آئڈیل اور نمونہ بنا کر آج بھی ہم اپنے آپ کو قابل رشک بنا سکتے ہیں۔ اور لٹی پٹی قوم وملت یعنی مسلمانوں (بلکہ انسانوں کو) کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔

ooo

محترم قارئین کرام

ماہ جون 2018 سے رضوان کے سالانہ زرتعاون میں -/100 روپے کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ رضوان کا اب سالانہ زرتعاون مبلغ -/300 روپے ہوگا۔ کاغذ اور طباعت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ اضافہ کرنا پڑا، امید ہے کہ قارئین رضوان اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے۔

سالانہ زرتعاون -/300 روپے
فی شمارہ -/30 روپے

والسلام
مینجر رضوان

الحنسی ہولڈر حضرات نئے شرح نوٹ فرمالیں۔